بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِسلام کا
قانونِ طلاق

قرآن و حدیث کی روشنی میں

مولانا محمد شہاب الدین ندوی

نام کتاب ـــــ اسلام کا قانون طلاق

مصنف ـــــ مولانا محمد شہاب الدین ندوی

کتابت ـــــ محمد بشیر منگلوری

طباعت ـــــ شکیل پرنٹنگ پریس، کراچی

ضخامت ـــــ صفحات

ایڈیشن ـــــ ۱۹۹۲ء

ٹیلیفون ۹۲۱۸۱۴

ناشر

فضل ربی ندوی

مجلس نشریات اسلام، ۱۔ کے۔ ۳، ناظم آباد مینشن، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	پیش لفظ	۹
۲	مقدمہ	۱۲
۳	بعض اصطلاحات کی تشریح	۲۲
	طلاق کے سلسلے میں چند ضروری باتیں	۲۵
۴	نکاح کا اصل مقصد	۲۷
۵	حُسنِ معاشرت کا تقاضہ	۲۷
۶	طلاق سے پہلے اصلاح ضروری	۲۸
۷	طلاق دینے کا صحیح طریقہ	۲۹
۸	طلاق کب جائز اور کب ناجائز ہوگی ؟	۳۰
۹	طلاقِ مُغلّظہ کی چند صورتیں	۳۰
۱۰	تین طلاق دینے والے کو سزا دی جائے	۳۱
	پہلا باب	
	طلاق کے بعض ضروری مسائل	
	فقہ اسلامی کی روشنی میں	۳۳
۱۱	طلاق کی تعریف	۳۳
۱۲	طلاق کے ارکان	۳۴
۱۳	طلاق کی شرائط	۳۴
۱۴	جائز اور ناجائز طلاق کا بیان	۳۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۵	طلاق احسن (سب سے اچھی طلاق)	۳۶
۱۶	طلاق حسن (اچھی طلاق)	۳۷
۱۷	طلاق بدعی (غیر مسنون طلاق)	۳۸
۱۸	طلاق صریح اور طلاق کنایہ	۴۱
۱۹	طلاق صریح (واضح طلاق)	۴۱
۲۰	طلاق کنایہ (غیر واضح طلاق)	۴۳
۲۱	خلع کا بیان	۴۶
۲۲	رجعت کا بیان	۴۷
۲۳	عدت کا بیان	۵۰
	دوسرا باب	
	طلاق اور عدت کے مسائل	
	قرآن مجید کی روشنی میں	۵۳
۲۴	قرآن حکیم میں اجمال اور اس کی حکمت	۵۵
۲۵	قرآن سے غلط مسائل کا استنباط	۵۶
۲۶	اسلام عورت کو احترام کی نظر سے دیکھتا ہے	۵۷
	۱۔ طلاق اور خلع کے احکام و مسائل	۵۸
۲۷	رجعت کا حق صرف دو تک ہے	۶۱
۲۸	ثبوت رجعت میں حکمت الٰہی	۶۲
۲۹	طلاق ایک ایک کرکے دی جائے	۶۳
۳۰	تین طلاق کے بعد عورت حرام ہو جاتی ہے	۶۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۱	یک وقت تین طلاق دینا حرام ہے	۶۵
۲۲	یک وقت دی ہوئی تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں	۶۶
۲۳	جہالت کی بنا پر دی ہوئی طلاقیں بھی پڑ جاتی ہیں	۶۷
۲۴	تین کو ایک قرار دینا صرف شیعوں کا مسلک ہے	۶۸
۲۵	نکاح ثانی میں صحبت ضروری ہے	۶۸
۲۶	حلالہ کے لئے کرائے کا شوہر کرنا حرام ہے	۷۰
۲۷	طلاق کے بعد عورت کو دیا ہوا مال واپس لینا جائز نہیں	۷۱
۲۸	ظلم و زیادتی کی وجہ سے عورت خلع طلب کر سکتی ہے	۷۲
۲۹	مطلقہ عورتوں کو تکلیف نہ دی جائے	۷۳
۳۰	اللہ کے احکام کو مذاق نہ بناؤ	۷۳
۳۱	حدود الٰہی سے تجاوز اللہ کی نافرمانی ہوگی	۷۷
۳۲	عورتوں کو اپنی پسند کے مطابق نکاح کرنے کا حق ہے	۷۷
۳۳	مہر اور طلاق کا ایک ضابطہ	۷۹
۳۴	بلا وجہ طلاق دینا سخت ناپسندیدہ ہے	۷۹
۳۵	مطلقہ عورتوں کی چار قسمیں	۸۱
۳۶	مطلقہ کو تحفہ طلاق کب ملے گا ؟	۸۱
۳۷	عورت کو نصف مہر کب ملے گا ؟	۸۲
۳۸	عورت کو پورا مہر کب ملے گا ؟	۸۲
۳۹	مطلقہ عورتوں کو کچھ تحفہ دینا چاہئے	۸۳
۵۰	زبردستی عورتوں کا مالک بن جانا جائز نہیں	۸۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۱	عورتوں کا مال زبردستی چھیننا جائز نہیں	۸۵
۵۲	مہر اور تحفے واپس لینا ناجائز ہے	۸۵
۵۳	کسی عورت میں کوئی خامی ہو تو کچھ خوبیاں بھی ہو سکتی ہیں	۸۶
۵۴	عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید	۸۶
۵۵	عورت کو دی ہوئی چیزیں واپس لینا ناجائز کیوں ؟	۸۷
	۲۔ عدّت کے احکام و مسائل	۸۸
۵۶	طلاق والی عورت پر عدّت کب نہیں ہے ؟	۸۹
۵۷	طلاق والی عورت پر عدّت کب واجب ہے ؟	۸۹
۵۸	مطلقہ عورتوں کو اپنا حمل چھپانا جائز نہیں ہے	۹۰
۵۹	مرد کے لئے رجوع کا حق کب تک باقی رہتا ہے ؟	۹۰
۶۰	رجعت کا صحیح طریقۂ کار کیا ہے ؟	۹۱
۶۱	کیا رجعت کے لئے گواہ بنانا ضروری ہے ؟	۹۱
۶۲	عورتوں کے حقوق بھی مردوں ہی کی طرح ہیں	۹۲
۶۳	غیر مدخولہ عورت پر عدّت نہیں ہے	۹۳
۶۴	مطلقہ غیر مدخولہ کو کچھ تحفہ دینا چاہئے	۹۳
۶۵	طلاق کا مسنون طریقہ کیا ہے ؟	۹۶
۶۶	طلاق کے چند اہم ضوابط	۹۸
۶۷	عدّت شوہر کے گھر میں گزارنا واجب ہے	۹۹
۶۸	طلاق رجعی میں ندامت نہیں ہوتی	۱۰۰
۶۹	عدّت میں ہیر پھیر کرنا جائز نہیں ہے	۱۰۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۷۰	رجعت میں گواہ بنانا واجب کیوں نہیں ہے ؟	۱۰۱
۷۱	طلاق غصّہ اُتارنے کی چیز نہیں ہے	۱۰۱
۷۲	تین طلاق کا ثبوت قرآن سے	۱۰۲
۷۳	مختلف عورتوں کی عدّت مختلف ہے	۱۰۳
۷۴	کم سن لڑکی کا نکاح جائز ہے	۱۰۳
۷۵	مطلقہ عورتوں کو عدّت کے دوران جائے رہائش	۱۰۳
۷۶	مطلقہ عورتوں کو نفقۂ عدّت دیا جائے	۱۰۳
۷۷	دُودھ پلائی کی اُجرت کب ضروری ہوگی ؟	۱۰۳
۷۸	بچّے کا نفقہ باپ کے ذمہ ہوگا	۱۰۵
۷۹	مسلمان احکامِ الٰہی سے روگردانی نہ کریں	۱۰۵
	تیسرا باب	
	طلاق اور عدّت کے چند اہم مسائل حدیث کی روشنی میں	۱۰۷
۸۰	حدیثِ رسول کی شرعی حیثیت و اہمیت	۱۰۷
۸۱	طلاقِ سنّت کیا ہے ؟	۱۰۹
۸۲	کیا حیض کی حالت میں دی ہوئی طلاق شمار ہوگی ؟	۱۱۰
۸۳	تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں	۱۱۳
۸۴	دورِ رسالت میں تین طلاق کا ثبوت	۱۱۴
۸۵	تین طلاق کے بعد عورت حرام ہو جاتی ہے	۱۱۹
۸۶	حلالہ کے لئے خلوتِ صحیحہ کافی نہیں ہے	۱۱۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
٨٧	مشروط طور پر حلالہ کرانا حرام ہے	١١٨
٨٨	غیر مدخولہ عورت کی تین طلاق کا حکم	١٢٠
٨٩	تین طلاق کے وقوع پر قرآن سے استدلال	١٢٣
٩٠	بیک لفظ تین طلاق کا مزید ثبوت	١٢٦
٩١	تین طلاق کے بعد مراجعت نہیں ہو سکتی	١٢٧
٩٢	کن لوگوں کی طلاق نہیں پڑتی ؟	١٢٩
٩٣	مغلوب العقل کی طلاق نہیں پڑتی	١٣٠
٩٤	دل میں طلاق دے دینے سے طلاق نہیں پڑتی	١٣٠
٩٥	مذاق کی طلاق پڑ جاتی ہے	١٣١
٩٦	بلا سبب طلاق طلب کرنا مذموم ہے	١٣٢
٩٧	بیوہ چار ماہ دس دن سوگ منائے گی	١٣٣
٩٨	مطلقہ بائنہ کا نفقہ و رہائش	١٣٤
٩٩	بیوہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے	١٣٦
١٠٠	بیوہ بھی اپنے شوہر کے گھر میں عدت گزارے گی	١٣٨
١٠١	فہرست مراجع	١٣٩

پیش لفظ

از مولانا سید صادق حسن عقیل قاسمی

مہتمم جامعہ علوم القرآن بنگلور.

طلاق چونکہ حقیقتاً تمدن و معاشرت کے فساد کا باعث ہے اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے. اور اس فعل سے صرف شیطان اور اس کے کارندوں ہی کو خوشی ہوسکتی ہے، جو میاں بیوی میں پھوٹ ڈال کر خاندانوں کو توڑنے اور ان میں باہمی عداوت و دشمنی پیدا کرنا چاہتے ہیں. چنانچہ جس معاشرے میں طلاق کی کثرت ہو جائے وہ کبھی پنپ نہیں سکتا. جس طرح کہ آج مغربی ممالک کا حال ہے. جہاں بات بات پر طلاق دینا ایک عام بات ہے. اور وہاں پر طلاقوں کی کثرت نے ایک وبا کی شکل اختیار کر لی ہے، جس کی وجہ سے وہاں کا خاندانی نظام بالکل ٹوٹ چکا ہے. مگر اس کے باوجود ایک صالح اور متوازن معاشرہ کے لئے کبھی کبھی طلاق کی واقعی ضرورت پیش آسکتی ہے. کیونکہ جب میاں بیوی میں کسی بھی طرح نباہ نہ ہو سکے اور دونوں میں اختلاف بڑھتا ہی چلا جائے تو پھر اصلاح معاشرہ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان دونوں کو سیدھے طریقے سے جدا کر دیا جائے ورنہ ان دونوں کو زبردستی باندھ کر رکھنے کا نتیجہ بھی خراب نکل سکتا ہے. کیونکہ یہ انسانی فطرت رہتی ہے کہ جو بے جا دباؤ کے آگے ہتھیار ڈالنے کے بجائے بغاوت پر آمادہ ہو جاتی ہے. غرض جس طرح طلاق کی کثرت کی وجہ سے معاشرتی توازن بگڑ جاتا ہے اسی طرح اس قانون کو بالکل تسلیم نہ کرنے کی صورت میں بھی معاشرے میں خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں. لہٰذا اس پیچیدہ مسئلہ کا صحیح حل یہ ہے کہ افراط و تفریط کا شکار ہوئے بغیر اس قانونی ضابطہ کو صحیح اور موزوں طریقے سے استعمال کیا جائے.

اسلام میں طلاق اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے. اور اس کی اجازت صرف شدید مجبوری کی حالت میں ہے. اور وہ بھی اس وقت جب کہ میاں بیوی کے درمیان اصلاح کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہوں اور ان دونوں میں کسی بھی طرح نباہ نہ ہو سکتا ہو. مگر اس وقت

بھی حکم یہ ہے کہ سنت طریقے کے مطابق عورت کو صرف ایک طلاق دی جائے۔ کیونکہ اگر کسی نے جلد بازی میں یا بغیر کسی غور و فکر کے طلاق دے دی ہے تو اُسے بعد میں رجوع کرنے کا موقع مل سکے۔ اس کے برعکس بیک وقت تین طلاق دے دینا خلافِ سنّت طریقہ ہے جو سخت گناہ کا باعث ہے۔ کیونکہ اس کے بعد رجوع کا حق باقی نہیں رہتا۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام کا یہ قانون ایک عقلی اور سائنٹفک قانون ہے جو حکمت و دانائی سے بھرپور ہے۔ مگر یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم ایک حکیمانہ قانون سے محض اپنی غفلت و جہالت کی بنا پر اعراض کرتے ہوئے آج ایک ایسا طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں جس سے نہ صرف ہماری معاشرتی زندگی کی تباہی اور جگ ہنسائی ہے بلکہ وہ شرعی اعتبار سے بھی گناہ کا باعث ہے۔ لہٰذا ضرورت تھی کہ عوام اور متوسط تعلیم یافتہ طبقے کو عام فہم انداز میں بتایا جاتا کہ اسلام میں قانونِ طلاق کی حقیقت و حیثیت کیا ہے؟ اور ضرورت پڑنے پر طلاق دینے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اس ضرورت کو ہندوستان کے نامور عالم مولانا محمد شہاب الدین ندوی نے پورا کرتے ہوئے بالکل آسان انداز میں قرآن، حدیث اور فقہ اسلامی سے ایک جامع انتخاب بڑے دلنشین انداز میں پیش کیا ہے، جس میں طلاق اور عدت کے تمام اہم ترین مسائل آگئے ہیں۔ ابتدائی مباحث میں طلاق کی ضرورت و افادیت پر بحث کرتے ہوئے اسلام کے قانونِ طلاق سے متعلق اہم اور مفید ترین معلومات پیش کی ہیں۔ اور خاص کر قرآن اور حدیث سے تین طلاق کے ثبوت کے بارے میں محققانہ مگر عام فہم انداز میں جو بحث ــ کتاب کے مختلف ابواب میں ــ کی ہے وہ خاص کی چیز ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اور یہ بحث قرآن اور حدیث کے حقائق و معارف سے لبریز نئے نئے جواہر کا ذخیرہ ہے جو سربستہ رازوں کی طرح ذخیرۂ اسلام میں محفوظ تھے۔ اتنی جامع اور مدلل کتاب (اور وہ بھی عام فہم انداز میں) یقیناً خداداد صلاحیت کا ثمرہ معلوم ہوتی ہے۔

آج کل ایک مجلس کی تین طلاقوں پر پابندی عائد کرنے کی غرض سے ہمارے ملک میں جو تحریک تجدد پسندوں کی جانب سے چلائی جا رہی ہے اور اسلامی قانون میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی غرض سے یہ جو کہا جا رہا ہے کہ بیک وقت تین طلاق دینا اصل اسلامی قانون کے خلاف ہے اور ایسی

طلاقیں، فقہ حنفی میں ہوتی ہیں، اس کا بھی بھرپور جواب مُثبت انداز میں اس کتاب میں مل جاتا ہے اور صحیح اسلامی قانون پوری طرح منقح و مدلل ہو کر دو اور دو چار کی طرح سامنے آجاتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ بیک لفظ دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کے قائل ہیں اُن کے رد میں بھی تحقیقی نئے اور حیرت انگیز دلائل پیش کر کے مصنف نے سب کا منہ بند کر دیا ہے۔

غرض یہ کتاب عصرِ جدید کے مزاج اور تقاضوں کے لحاظ سے ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے، جو معلومات کا ایک خزانہ ہے، اور اس میں اسلامی قانون کا نچوڑ آگیا ہے۔ مولانا ندوی نہایت سلجھی ہوئی فکر اور رواں قلم کے مالک ہیں اور بڑے دلنشیں انداز میں بحث کرتے ہیں۔ موصوف کا اصل موضوع کلامیات اسلام ہے۔ مگر اب انہوں نے فقہ و شریعت کو بھی کلام بنا دیا ہے۔ جیسا کہ اس سلسلے میں اُن کی متعدد تصنیفات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ خوبی بہت کم مصنفین میں پائی جاتی ہے۔ مصنف کے کلام میں بڑی جامعیت پائی جاتی ہے۔ وہ مختلف مباحث اور نکات کو بڑے سلیقے کے ساتھ ایسے انوکھے انداز میں پیش کرتے ہیں جو جدت و ندرت کے حامل ہوتے ہیں اور ان میں "تجدیدی" رنگ جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ اور یہی چیز مولانا ندوی کی تمام تحریروں کی امتیازی خصوصیت ہے۔

بہرحال یہ کتاب ہر اعتبار سے مفید، کامیاب اور ذخیرۂ اسلامیات میں ایک قیمتی اضافہ ہے۔ شروع میں اسلامی قانونِ طلاق کے بارے میں مذکور اصطلاحات کی تشریح کر کے کتاب کو مفید سے مفید تر بنانے کی کوشش کی گئی ہے، جس کی وجہ سے یہ کتاب علمی ہونے کے ساتھ ساتھ عوامی بھی نظر آتی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کا ترجمہ انگریزی اور علاقائی زبانوں میں کیا جائے۔ تاکہ اس وقت اسلامی طلاق کے بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان کا تدارک ہو سکے۔ اور یہ کتاب ہر مسلمان کو ضرور پڑھنی چاہیے۔

صادق حسن قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین ۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم ۔ وعلیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین ۔ اما بعد ۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تنہائی اور اُس کی وحشت کو دُور کرنے کے لئے عورت کو پیدا کیا ہے جو اُس کی رفیقِ حیات بن کر زندگی کے نشیب و فراز میں ہر ہر قدم پر اُس کا ساتھ دے سکے اور اُس کی مونس و غمخوار بن کر زندگی کی گاڑی کھینچ سکے ۔ اگر دنیا میں عورت نہ ہوتی اور صرف مرد ہی مرد ہوتے تو یہ دنیا نہ چل سکتی اور نہ مرد کی وحشت دُور ہو سکتی ۔ اسی طرح اگر دنیا میں صرف عورتیں ہی عورتیں ہوتیں تب بھی یہی صورتِ حال پیش آتی ۔ لہٰذا اس کارخانۂ حیات کے تسلسل کے لئے مرد اور عورت دونوں کا وجود نہایت ضروری ہے ۔

گو تمدنی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ ایک عورت گھر کی ملکہ ہوتے ہوئے بھی مرد کو ہمیشہ تمدنی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لئے نیا جذبہ اور نیا ولولہ عطا کرتی رہتی ہے اور مرد کے جذبۂ تقدم و ترقی کو کسی بھی طرح سرد ہونے نہیں دیتی ۔ اس لحاظ سے ساری تمدنی سرگرمیوں کا مرکز و محور عورت ہے ۔ اور اُسی کے دَم سے تہذیب و تمدن کا ارتقا ہو رہا ہے ۔ اگر عورت نہ ہو تو پھر مرد کی زندگی سُونی سُونی ہو کر رہ جائے اور اُس کے تمام جذبات اور ولولے ٹھنڈے پڑ جائیں ۔ اس لحاظ سے نظامِ تمدن میں عورت کا مقام نہایت درجہ اہم ہے ۔

گر موجودہ دور میں حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے عورت کو اُس کا صحیح مقام و مرتبہ دینے کے بجائے ایک طرف اُسے "آزادی" کے نام پر گھر سے بے گھر کر کے "آوارہ گردی" کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے اور اُس کی مظلومیت کا رونا روتے ہوئے اُس کے "حقوق" کے نام پر اُس کے حقوق چھینے جا رہے ہیں ۔ اور دوسری طرف جہیز اور جوڑے گھوڑے کے نام پر اُس کا استحصال کرتے ہوئے اُسے ذلیل کیا

لُوٹا اور ستایا جا رہا ہے۔ گویا کہ وہ مرد کی خواہشاتِ نفسانی پُورا کرنے کے لئے ایک کھلونا ہی نہیں بلکہ سُسرالی والوں کے ہاتھ صاف کرنے کا بھی ایک ذریعہ بن گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب مقصدِ زندگی اتنا پست ہو جائے تو پھر عورت کی صحیح پوزیشن نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ اور پھر ایک انسان اور ایک جانور میں کوئی فرق ہی نہیں رہ جاتا۔ بلکہ ایسے خود غرض انسانوں سے جانور ہی زیادہ بہتر معلوم ہوتے ہیں۔ جن میں سے اکثر انواع میں نر و مادہ کی باہمی محبت مثالی ہوتی ہے اور جو ایک دوسرے کے لئے اپنی جان تک نچھاور کر دینے سے بھی پیچھے نہیں ہٹتے۔ مگر آج انسان اشرف مخلوقات ہونے کے باوجود محض اپنی خود غرضی کے لئے اپنی شریکِ حیات اور وفا شعار بیوی پر ظلم و ستم کرنے اور اس بیچاری کی جان تک لینے میں بھی پس و پیش نہیں کرتا۔

غرض اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے جوڑے اس لئے بنائے تاکہ وہ ایک دوسرے کے ہمدرد یا غمخوار، مونس و محبت اور ہمدرد بن کا نباہ کرتے ہوئے عفت و عصمت اور مسرت و شادمانی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کریں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے پر جو حقوق و فرائض عائد کئے ہیں انہیں بحسن خوبی ادا کرتے ہوئے ایک کامیاب اور مثالی زندگی بسر کریں، تاکہ آخرت میں بھی ان کی نجات ہو سکے۔

مگر افسوس کہ موجودہ دور میں زندگی کی قدریں بدل گئی ہیں اور عورت کو صرف تجارت اور کام جوئی کا ایک ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے۔ بلکہ آج ہندوستان جیسے ملکوں میں عورت کی کوئی وقعت و اہمیت ہی نہیں رہ گئی ہے۔ اس کے حقوق بے دردی کے ساتھ پامال کئے جا رہے ہیں۔ بلکہ اسے پیروں تلے روندتے ہوئے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ کبھی جہیز کے نام پر اس کا گلا گھونٹ دیا جاتا تو کبھی ستی کے نام پر اسے بر سرِ عام نہایت درجہ وحشیانہ طریقے سے آگ میں جھونک کر زندہ جلا دیا جاتا ہے۔ اور تمام مرد و عورت اس مظلوم و بے سہارا عورت (بیوہ) کے جلنے کا تماشہ نہایت درجہ بے رحمی اور سنگدلی کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ اس سماجی ظلم اور ناانصافی کے پیچھے صرف مرد کی خود غرضی اور حصولِ مال کا جذبہ کارفرما دکھائی دیتا ہے۔ گویا کہ ایک انسانی جان کے مقابلے میں چند سکوں کی زیادہ قدر و قیمت ہے۔

اسی طرح اب اس سماجی ظلم و ستم کے اثرات اکثریتی فرقے سے نکل کر آہستہ آہستہ دوسرے فرقوں میں

بھی سرایت کر گئی ہیں۔ اور جہیز کی یہ وبا اب مسلمانوں میں بھی بتدریج پھیلتی دکھائی دے رہی ہے۔ مگر چونکہ اکثر ہندو مذہب کے برعکس اسلام میں طلاق کی آزادی حاصل ہے اس لئے اب مسلمانوں میں جب ایسے واقعات ہوتے ہیں تو بجائے اپنی شریک حیات کا گلا گھونٹ کر یا زندہ جلا کر مار دینے کے زیادہ تر طلاق دے دی جاتی ہے۔ اس طرح آج کل (خصوصاً ہندوستان میں) طلاق کی جو کثرت نظر آتی ہے اس کا ایک بڑا سبب جہیز کا رواج ہے۔ اگر یہ غلط اور غیر شرعی رواج ختم ہو جائے تو پھر یقین ہے کہ طلاق کے واقعات بھی بہت بڑی حد تک کم ہو جائیں گے۔

مگر اس سے انکار نہیں ہے کہ اس کے علاوہ طلاق کے دیگر اسباب بھی ہوسکتے ہیں لیکن آج کل مخالفین اسلام محض پروپیگنڈے کی غرض سے انہیں بڑھا چڑھا کر پیش کرتے رہتے ہیں۔ یا ان کے اسباب بیان کرنے میں بہت زیادہ مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مغربی ممالک میں طلاق پر بہت سی قانونی پابندیاں ہونے کے باوجود آج یورپ و امریکہ میں طلاق کی ہولناک حد تک کثرت نظر آتی ہے اس کے مقابلے میں اسلام میں طلاق کی آسانیاں ہونے کے باوجود طلاق کے واقعات بہت کم ہیں جو حیرت انگیز ہیں۔ اور یہ بات یقیناً موجودہ گئے گزرے دور میں بھی اسلامی قدروں VALUES اور اسلام میں خاندانی نظام کی مضبوطی پر دلالت کرتی ہے۔

بہرحال کچھ بھی ہو طلاق کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ اس قسم کا کوئی واقعہ ہونے ہی نہ پائے۔ کیونکہ ہندو مذہب کے رسم و رواج کے علاوہ مغربی تہذیب نے بھی دنیا کی تمام قوموں اور تمام تہذیبوں کو متاثر کیا ہے۔ اور مغربی تہذیب کا بنیادی خمیر خود غرضی اور مفاد پرستی ہے۔ نہ صرف مختلف قوموں کے درمیان بلکہ ایک ہی قوم کے مختلف قبیلوں اور خاندانوں کے درمیان بھی۔ یہاں تک کہ ایک ہی خاندان کے مختلف افراد بلکہ خود میاں بیوی کے درمیان بھی خود غرضی اور مفاد پرستی پوری طرح رچی بسی نظر آتی ہے۔ چنانچہ آج اس حیثیت سے مغربی ممالک میں خاندانی نظام تباہ ہو چکا ہے اور میاں بیوی کے درمیان رشتہ عیسائیت کے عقیدہ کے مطابق ایک "مقدس بندھن" کے بجائے محض ایک تجارتی قسم کا تعلق بن کر رہ گیا ہے۔ چنانچہ یورپ اور امریکہ میں آج کل مرد اور عورت محض ایک

دوسرے کو لوٹنے اور ایک دوسرے سے لطف اندوز ہونے کی غرض سے شادیاں کرتے ہیں۔ گر وہ نکاح کے بندھن میں بندھے ہوتے ہیں۔ وجہ ایک دوسرے کے وفادار نہیں ہوتے اور نہ ایک دوسرے پر قناعت کرنے والے ہوتے ہیں، بلکہ وہ "خوب سے خوب تر" کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اور جیسے ہی اُنہیں کوئی دوسرا "اچھا ساتھی" نظر آتا ہے فوراً میاں بیوی سے اور بیوی میاں سے الگ ہو کر (طلاق حاصل کر کے) دوسرے سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ اور یہ چکر اسی طرح چلتا رہتا ہے۔ اسی بنا پر مغربی ممالک میں طلاق کی وبا عام ہو گئی ہے اور خاندانی نظام ٹوٹ رہا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں چند اقتباسات اور مستند اعداد و شمار ملاحظہ ہوں:

ایک امریکی مصنف ڈائر DYER اپنی کتاب "کورٹ شپ، میرج اینڈ فیملی" میں موجودہ امریکی معاشرے میں کثرتِ طلاق کے بارے میں تحریر کرتا ہے کہ اس کی تیز رفتار پر اکثر امریکیوں کو تشویش لاحق ہے:

> The current high and climbing divorce rates in the United States are a cause of concern to many Americans. (Courtship, Marriage and Family, P.37[illegible], The Dorsey Press, 1983)

پھر وہ اس سلسلے میں مختلف اعداد و شمار پیش کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے کہ ۱۹۷۸ء میں امریکہ میں کل ۲۲ لاکھ ۴۳ ہزار شادیاں ہوئیں اور ۱۱ لاکھ ۲۲ ہزار طلاقیں واقع ہوئیں۔ یعنی ہر دو شادیوں کا نتیجہ ایک طلاق پر منتج ہوا:

> In 1978 there were 1,122,000 divorces and 2,243,000 marriages in the United States. (P.326)

نیز وہ اس حقیقت کا بھی اعتراف کرتا ہے کہ آج کل امریکی معاشرے میں لوگ شادی بیاہ دوامی بندھن، ایک دوسرے کے ساتھ وفاداری اور خیر خواہی کے جذبے کے تحت نہیں اپنی مقصد برآری کی خاطر عارضی طور پر کرتے ہیں۔ چنانچہ شادی شدہ مرد اور عورتیں نکاح کے بندھن میں بندھے رہنے کے

باوجود بہتر سے بہتر ساتھیوں کی تلاش میں رہتے ہیں :

.........People now define marriage as temporary rather than permanent, and that even when already married man or woman is still on the lookout for a better marriage partner. (P.237)

نیز وہ تحریر کرتا ہے کہ امریکہ میں ہر سال زوجین کے درمیان بے وفائی کے تقریباً ایک لاکھ واقعات ہوتے ہیں۔ یعنی میاں بیوی ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں یا فرار ہو جاتے ہیں۔ (اور یہ واقعات طلاقوں کے علاوہ ہوتے ہیں)۔

Estimates of the amount of desertion in the United States are not reliable since so many desertions are not even recorded. Some estimates run to about 100,000 per year. (P.213)

وہ مزید تحریر کرتا ہے کہ مذہبی اور اخلاقی قدروں سے بھرپور معاشرے میں طلاق کی شرح بہت کم ہے :

.... While in the East and North there are larger proportions of religious and ethnic groups more strongly opposed to divorce. (P.214)

ایک دوسری کتاب "سوشیالوجی انکوائرنگ انٹو سوسائٹی" کے تین امریکی مشترکہ مصنفین تحریر کرتے ہیں کہ طلاق کی شرح مغربی صنعتی معاشروں میں زیادہ ہے۔ لیکن امریکہ میں کثرت طلاق کی شرح دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہے :

Rising divorce rates seem to occur in all western industrialized societies, but the United States now has the highest divorce rate in the world. (Sociology Inquiring into Society, P.219, New York 1982)

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو مشرقی اور خاص کر مسلم ممالک میں حالات اتنے زیادہ خراب نہیں ہوئے
ہیں، اور نہ طلاق کا اتنا بے جا استعمال ہو رہا ہے۔ مگر مغربی ممالک کی خود غرضیت اور اُن کے تہذیبی اثرات
یہاں بھی آہستہ آہستہ ظاہر ہونے لگے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب انسان بجائے مقصدِ زندگی کو پیشِ نظر رکھنے کے
خود غرضی اور عیاشی پر اتر آئے تو وہ اپنی مقصد برآری کے لئے ہر جائز و ناجائز طریقے کو اپنائے گا اور پیٹ
کام و دہن کی آسودگی کی خاطر کسی قسم کے جرم یا گناہ کے ارتکاب سے بھی باز نہیں آئے گا۔ جب انسان
کا اخلاق و کردار بگڑ جائے، اُس کا نقطۂ نظر بدل جائے اور وہ بجائے آخرت کے دُنیا ہی کو مقصود و محبوب
بنا لے تو پھر وہ وہی کرے گا جو اُس کے وقتی و فوری مفاد کے لئے وہ ضروری سمجھے گا۔ اس اعتبار سے
بھی طلاق کی کثرت اور اُس کا ایک اہم سبب محض انسان کی خود غرضی ہے۔ لہٰذا قانونِ طلاق میں اصلاح
کے بجائے خود لوگوں کے اخلاق اور اُن کے کردار و کیرکٹر میں اصلاح کی شدید ضرورت ہے۔

آج کل مسلمانوں میں معلوم نہیں کس طرح عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ جب تک "تین"
کا لفظ نہ بولا جائے طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔ حالانکہ تین طلاق کے الفاظ استعمال کرتے ہی صحیح
اسلامی قانون کی رُو سے تینوں طلاقیں پڑ جاتی ہیں اور بیوی طلاق دینے والے پر فوراً حرام ہو جاتی ہے۔
لہٰذا شرعی ضابطہ یہ ہے کہ مرد مجبوری کی حالت میں بیوی کو صرف ایک طلاق دے۔ اس صورت میں اُسے
بعد میں شرمندگی اُٹھانی نہیں پڑتی۔ کیونکہ اگر وہ چاہے تو عدّت کے اندر اپنی دی ہوئی طلاق واپس لے کر
مطلقہ عورت کو پھر سے بیوی بنا سکتا ہے۔ لیکن تین طلاق دے دینے کی صورت میں تو رجوع کرنے کا
اختیار باقی نہیں رہتا۔

اسلامی قانون کی رُو سے عورت کو بلاوجہ یا محض اپنی خود غرضی کی خاطر طلاق دینا جائز نہیں
ہے۔ کیونکہ یہ چیز نہ صرف ترقی تمدن میں مانع ہوتی ہے بلکہ فسادِ تمدن و معاشرت کا باعث بھی بنتی
ہے۔ ہاں البتہ میاں بیوی کے اختلافِ مزاج کے باعث یا کسی اور وجہ سے ان دونوں میں ناچاقی پیدا
ہو جائے جو ناقابلِ اصلاح ہو تو اس وقت اسلام نے اس کی گنجائش نکال رکھی ہے۔ کیونکہ ایسی حالت
میں بھی ان دونوں کو باندھے رکھنا خرابیٔ معاشرت کا باعث ہو سکتا ہے۔ لہٰذا معاشرہ کو صحیح رُخ پر

چلانے کے لئے ایک متوازن مذہب میں طلاق کا ضابطہ موجود رہنا نہایت ضروری ہے۔ طلاق اصل میں ایک معاشرتی "آپریشن" ہے جو میاں بیوی کے درمیان اصلاح کے لئے آخری چارۂ کار کے طور پر ہونا چاہئے۔ جس طرح کہ بعض اوقات مریض کے لئے جب کوئی بھی دوا کارگر نہ ہو تو اس وقت ڈاکٹر اس کے آپریشن کا مشورہ دے گا۔ ورنہ آپریشن نہ کرنے کی صورت میں مریض کی موت واقع ہو سکتی ہے۔

طلاق کا بے جا اور بے تحاشا استعمال یقیناً غلط ہے۔ اور اس معاملے میں لوگوں کی اصلاح بہت ضروری ہے۔ نیز اسی طرح آج کل بیک وقت یا بیک لفظ تین طلاق دینے کا جو غلط رواج چل پڑا ہے، اسے بھی روکنا بہت ضروری ہے اور اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کو صحیح اسلامی قانون سے روشناس کیا جائے۔ اور اس سلسلے میں ضروری ہے کہ لوگ اسلام کے ضروری اور بنیادی احکام و مسائل سے برضا و رغبت واقفیت حاصل کریں۔ کیونکہ اسلام کے بنیادی مسائل کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، جیسا کہ ابن ماجہ کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ مگر دینی علم کے حصول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر شخص اصطلاحی طور پر عالم یا مولوی بن جائے۔ ظاہر ہے کہ ایسا ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ بلکہ ہر شخص کو زندگی کے ضروری ضوابط کا علم ضرور حاصل کرنا چاہئے کہ انفرادی و اجتماعی زندگی میں اسے کیا کرنا اور کیا نہیں کرنا چاہئے؟ کیونکہ اللہ نے انسان کو آزاد اور خود مختار بنا کر نہیں پیدا کیا ہے۔ لہٰذا زندگی گزارنے کے لئے خدا کے حکموں کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ غرض انہی ضروری احکام میں نکاح و طلاق کے مسائل بھی ہیں، جو ایک تمدن کی تاسیس اور اس کے استحکام کے لئے نہایت درجہ ضروری ہیں۔ لہٰذا ان ضروری مسائل سے لاعلم ہونے کی صورت میں اکثر و بیشتر بھیانک نتائج رونما ہوتے ہیں، جس کی بنا پر انسان شرعی اعتبار سے گنہگار ہوتا ہے۔

غرض اس باب میں تین طلاق کا مسئلہ سرفہرست نظر آتا ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کو اس سے واقف رہنا بہت ضروری ہے کہ "تین طلاق" کا کیا مطلب ہے اور اس کے نتائج کیا نکلتے ہیں؟ جس طرح کہ یہ بات معلوم رہنا بھی بہت ضروری ہے کہ خود طلاق کی اجازت شریعت میں کیوں دی گئی ہے اور اس کا صحیح وقت اور صحیح طریقۂ کار کیا ہے؟ طلاق کے سلسلے میں یہی چند اہم اور بنیادی مسائل ہیں۔

طلاق کی اجازت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کوئی بھی شخص اسے جب اور جس طرح چاہے استعمال کرلیجے۔ بلکہ اس سلسلے میں چند قیدیں اور شرطیں رکھی گئی ہیں جن کو ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے، جن سے اسلامی شریعت کی حکمت و مصلحت ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہ قیود و شرائط اسلام کا تکمیلی کارنامہ ہیں، جن کی بنا پر اسلامی شریعت دیگر تمام مذاہب سے ممتاز نظر آتی ہے۔ اور یہ قوانین یقیناً اسلام کے ترقی یافتہ اور عقلی و سائنٹفک مذہب ہونے کی علامت ہیں، جن میں نام نہاد رجعت پسندی یا تاریک خیالی کی کوئی بات موجود نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت واقعہ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ عصر جدید کی متمدن قومیں بھی بتدریج اسلام کے عائلی قوانین اور خاص کر اس کے قانونِ طلاق سے اخذ و استفادہ پر مجبور نظر آتی ہیں، جیسا کہ مختلف مغربی ملکوں کے جدید قوانین سے ظاہر ہوتا ہے۔ خود ہندستان میں بھی ۱۹۵۵ء کے ہندو میرج ایکٹ اور ۱۹۷۶ء کے ترمیمی ایکٹ کا بھی یہی حال ہے جو اسلامی قانون سے متاثر نظر آتے ہیں۔ کیونکہ اسلامی قانون افراط و تفریط سے پاک ایک ایسا جامع اور متوازن قانون ہے جس کے تصور سے دنیا کے تمام مذاہب خالی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا نے علم و عقل میں اگر کسی قانون کی برتری تسلیم کی جاسکتی ہے تو وہ صرف اسلامی قانون ہے۔ مغرب زدہ لوگ اگرچہ اپنی زبان سے اسلامی قانون کی لاکھ مذمت کریں مگر وہ "پچھلے دروازے" سے اسلامی قانون کی طرف بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ موجودہ ترقی یافتہ دور میں ترقی یافتہ ملکوں اور قوموں کا ایک چودہ سو سالہ "پرانے" قانون کی طرف رجوع کرنا اس بات کی ناقابلِ تردید دلیل ہے کہ اسلامی قانون نہ تو بوسیدہ ہے اور نہ رجعت پسندی کی علامت۔ بلکہ وہ بالکل عقلی، سائنٹفک، برتر اور حیرت انگیز قانون ہے جو موجودہ ترقی یافتہ دور کی رہنمائی بھی بالکل اسی طرح کرسکتا ہے جس طرح کہ اس نے چودہ سو سال پہلے اپنا یہ فریضہ بدرجۂ احسن انجام دیا تھا۔ اور اس لحاظ سے موجودہ دور کو بھی اسلامی قانون کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ اب سے چودہ سو سال پہلے تھی۔

جب یہ اچھی طرح ظاہر ہوگیا کہ اسلامی قانون نہ تو فرسودہ ہے اور نہ بوسیدہ، بلکہ وہ ایک سائنٹفک اور ترقی یافتہ قانون ہے، جو اس کے مِن جانب اللہ ہونے کی واضح دلیل ہے اور وہ ہر دور میں ایک

صالح اور مفید تمدنی قانون بننے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اب اس کی اتباع میں کسی قسم کی حیلہ سازی اور تنگ نظری کا مظاہرہ کرنا بہت بڑی بدقسمتی اور محرومی کی بات ہوگی ۔

اسلامی شریعت ہر دور اور ہر ملک کے لئے صالح اور مفید قانون ہے ۔ لہذا اب ضرورت ہے کہ مسلمان اپنے اس ابدی قانون پر پوری ایمانداری اور شرح صدر کے ساتھ عمل کریں ۔ مگر اس پر چلنے اور عمل کرنے کے لئے پہلے اس کا صحیح علم حاصل کرنا ضروری ہے ۔ آج عام مسلمان تو درکنار، پڑھے لکھے تعلیم یافتہ لوگ بھی اسلام کے قانون طلاق سے صحیح طور پر واقف نہیں ہیں ۔ بلکہ اس سلسلے میں لوگوں کی معلومات نہایت درجہ ناقص ہیں ۔ اور بعض شرپسند تحریکوں نے اس سلسلے میں بہت سی غلط فہمیاں اور شکوک وشبہات پیدا کرکے معاملے کو اور بھی زیادہ مشتبہ بنا دیا ہے ۔ لہذا ضرورت تھی کہ اسلام کے قانون طلاق پر قرآن، حدیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ایک مختصر لیکن مستند مجموعہ آسان انداز میں مرتب کر دیا جائے تاکہ اس کا فائدہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ہو اور کم تعلیم یافتہ لوگ بھی اس سے بخوبی مستفید ہوں ۔ اور انہیں معلوم ہو کہ اسلام جیسے ابدی دین نے جو ساری دنیا کے لئے رحمت بن کر آیا ہے اس سلسلے میں کتنے قیمتی اصول ان کے لئے تجویز کئے ہیں ؟ نیز یہ کہ طلاق کا قانون مجموعی حیثیت سے آیا ترقی تمدن کے لئے مفید ہے یا اس میں حارج ؟ واقعہ یہ ہے کہ اگر مسلمان خود اپنے قانون اور اپنی شریعت پر پوری ایمانداری کے ساتھ عمل کریں تو یقین ہے کہ عملی اعتبار سے اس کے اتنے بہتر نتائج برآمد ہوں گے جو ساری دنیا کے لئے ایک مثالی نمونہ ہوں گے اور دنیا کی قومیں اسلامی قانون کی صلاحیت اور اس کی خوبیوں کا بھرپور نظارہ کر سکیں گی ۔

انہی تمام مقاصد کو پورا کرنے کی غرض سے یہ کتاب حتی الامکان آسان انداز میں لکھنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ اس کے تین ابواب ہیں : پہلے باب میں بطور تعارف طلاق کے ضروری مسائل کا بیان مستند کتب فقہ کی روشنی میں کیا گیا ہے ۔ دوسرے باب میں طلاق اور عدت کے بارے میں قرآن میں جو مجمل آیات مذکور ہیں ان کی تشریح و تفسیر مستند کتب تفاسیر کی روشنی میں کی گئی ہے اور اس سلسلے میں قرآن حکیم کے اسلوب اور اس کے طرز بیان کی بھی وضاحت کرتے ہوئے صحیح

اسلامی قانون کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پھر تیسرے باب میں مختلف کتب حدیث سے طلاق و عدت کے مسائل کا ایک جامع انتخاب مع تشریح و توضیح پیش کیا گیا ہے۔ نیز اس کے علاوہ اختصار کے ساتھ بعض اختلافی مسائل اور اختلافی احادیث کا تذکرہ کرتے ہوئے مختلف حدیثوں کے درمیان پیدا ہونے والے ظاہری اختلافات کو بھی دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اس کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ آج کل ہندوستان میں بعض مخالف شریعت تحریکیں بعض اختلافی مسائل کو چھیڑ کر عوام کو صحیح اسلامی قانون سے برگشتہ کرنے کی جو جد و جہد کر رہی ہیں ان کا بھی بخوبی توڑ ہو سکے۔ اور اس اعتبار سے دوسرا اور تیسرا باب کافی اہم ہے جو ذرا علمی قسم کا ہے۔ مگر پھر بھی عوامی ذہن کو مدنظر رکھتے ہوئے اور دقیق علمی بحثوں سے پرہیز کرتے ہوئے چند موٹے موٹے اصول بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ تاکہ عوام انہیں بخوبی سمجھ لیں۔ اور اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس بحث کے ملاحظہ کے بعد عوام صحیح اسلامی قانون سے برگشتہ کرنے والی کسی بھی تحریک کے بہکاوے میں نہیں آسکیں گے۔ (انشاء اللہ العزیز)۔

نیز اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ آج کل بعض جدید طبقوں میں (جو اسلامی شریعت کے مخالف ہیں) فقہ اسلامی کے بارے میں جس بے اعتمادی کا اظہار کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ وہ قرآن اور حدیث کے اصل احکام سے ہٹی ہوئی ہے۔ یعنی فقہاء نے گویا جان بوجھ کر بعض مسائل میں قرآن اور حدیث کے خلاف اپنی مرضی سے استنباط کر لیا ہے، اس کا توڑ یہ ہے کہ اب ہمارے علمائے کرام فقہ اسلامی کو موافق قرآن و حدیث ثابت کرنے کے لئے فقہ اسلامی کو نئے سرے سے اس انداز میں مرتب کریں کہ وہ قرآن اور حدیث ہی کی خوشہ چین نظر آئے اور کہیں بھی کوئی تضاد دکھائی نہ دے۔ یہ بھی موجودہ چیلنج کا ایک صحیح اور بروقت جواب ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآنی مجملات کی تشریح و توضیح حدیث نبوی سے ہوتی ہے۔ اور قرآن و حدیث کے نصوص (واضح بیانات) کی روشنی میں فقہاء نے جزئی احکام و مسائل کا استنباط کیا ہے۔

بہرحال اس مجموعہ میں قرآن، حدیث اور فقہ اسلامی تینوں کو یکجا طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ مگر عوامی ضروریات کے لئے اس سلسلے کا پہلا باب ہی کافی ہوگا، جبکہ دوسرا اور تیسرا باب متوسط طبقے

کی ضروریات اور ان کی تشنگی کو دُور کر سکتا ہے۔ غرض اس کتاب میں مختصر طور پر قرآن، حدیث اور فقہ سے طلاق و عدت کے اہم اور ضروری مسائل کو اکٹھا کیا گیا ہے۔ اور شرعی اصطلاحات کا ایک فرہنگ بھی شامل کر کے اس کو عام فہم بنانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی گئی ہے۔ قرآن اور حدیث سے جو مسائل مستنبط ہوتے ہیں اُن کے عنوانات قائم کیے گئے ہیں تاکہ وہ عوام کے ذہنوں میں اچھی طرح بیٹھ جائیں۔ بعض موقعوں پر ضروری مسائل کے ساتھ ساتھ کچھ دلائل بھی بیان کیے گئے ہیں۔ چونکہ یہ مجموعہ اصلاً عوام کے لئے ہے اس لئے اس میں اکثر و بیشتر مسائل کا تکرار بھی ملے گا جو اسلوب بدل بدل کر پیش کیا گیا ہے۔ اللہ سے دُعا ہے کہ وہ اس مجموعہ کو مقبول اور نافع بنائے۔

خادمِ قلم

محمد شہاب الدین ندوی

۹/۱۱/۱۴۰۸ھ

بعض اصطلاحات کی تشریح

ذیل میں طلاق اور عدت سے متعلق اسلامی شریعت میں استعمال ہونے والی اہم اصطلاحات کا معنی و مفہوم واضح ہو آسان انداز میں بیان کیا جاتا ہے جس کے باعث ہر مسلمان کو شریعت کے مسائل جاننے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ نیز ہر اصطلاح کے سامنے قوسین (بریکٹ) میں اس کے لفظی معنی بھی لکھ دیئے گئے ہیں، تاکہ ان اصطلاحات کو سمجھنے میں مزید آسانی اور سہولت رہے۔

طَلاق: (بندش کھول دینا) میاں بیوی کے درمیان نکاح کا جو معاہدہ ہوا ہے اُسے (کسی مخصوص لفظ کے ذریعہ) ختم کر دینا۔ یعنی نکاح کی قید سے آزاد ہو جانا۔ گویا کہ اُس نے نکاح کی بندش کھول دی ہے۔

خُلع: (اُتار پھینکنا) عورت کے مطالبے پر کچھ مال کے عوض یا بغیر کسی عوض کے مرد کا عورت کو طلاق دینا۔ (خلع اصلاً طلاق ہے، کیونکہ وہ عورت کے مطالبے پر دی جاتی ہے)

حَیض: (ماہواری میں جاری ہونے والا خون) عورت کی ماہواری یعنی اُس کی ناپاکی کی حالت جو اُسے ہر ماہ پیش آتی رہتی ہے۔ (حائضہ: حیض والی عورت)۔

طُہر: (پاکی) عورت کی پاکی کی حالت۔ یعنی دو ماہواریوں کے درمیان کا عرصہ۔

طلاقِ صریح: (واضح طلاق) طلاق میں ایسے الفاظ استعمال کرنا جو صراحتاً طلاق کے معنی پر دلالت کرنے والے ہوں اور جن میں کسی دوسرے معنی کا احتمال نہ ہو۔ جیسے کسی نے اپنی بیوی سے یوں کہا: "تجھے طلاق ہے" یا "میں نے تجھے طلاق دی"۔ اس قسم کے الفاظ میں نیت کے بغیر بھی طلاق رجعی پڑ جاتی ہے۔

طلاقِ کنایہ: (غیر واضح طلاق) ایسے الفاظ کے ذریعہ طلاق دینا جو صراحتاً طلاق کے معنی پر دلالت کرنے والے نہ ہوں، بلکہ وہ گول مول الفاظ ہوں۔ جیسے کسی نے اپنی بیوی سے یوں کہا:

(۱) تو جدا ہو چکی ہے۔ (۲) تو حرام ہے۔ (۳) تیری رسی تیرے کاندھے پر ہے۔ (۴) تو اپنے میکے چلی جا۔ (۵) میں نے تجھے چھوڑ دیا۔ (۶) تو خود اپنی مختار ہے۔ (۷) میں نے تجھے تیرے گھر والوں کے حوالے کر دیا۔ (۸) کوئی دوسرا شوہر ڈھونڈھ لے وغیرہ۔ تو ان سب صورتوں میں بغیر نیت یا قرینے کے طلاق نہیں پڑتی۔ قرینے سے مراد یہ ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان طلاق کی بات ہو رہی تھی تو اس موقع پر مرد نے اس قسم کے الفاظ استعمال کیے یا یہ الفاظ غصے کی حالت میں کہے۔ اور ان الفاظ کے ذریعہ ایک طلاق بائن پڑتی ہے۔ اور اگر تین کی نیت کرے تو تینوں پڑ جاتی ہیں۔

طلاقِ رجعی: (لوٹنے والی طلاق) وہ طلاق ہے جس سے نکاح نہیں ٹوٹتا، بلکہ وہ عدت پوری ہونے تک باقی رہتا ہے۔ اور اس دوران مرد جب چاہے طلاق سے رجوع کر کے (دی ہوئی طلاق کو واپس لے کر) عورت کو پھر سے بیوی بنا سکتا ہے اور جب چاہے اس سے ہم بستری کر سکتا ہے۔ لیکن ہم بستری کرنے کا مطلب (حنفی مسلک کے مطابق) یہ ہوگا کہ اس نے طلاق سے رجوع کر کے مطلقہ کو پھر سے بیوی بنا لیا ہے۔

طلاقِ بائن: (جدا ہونے والی طلاق) وہ طلاق ہے جس میں نکاح فوراً ٹوٹ جاتا ہے اور مرد کو رجوع کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا، چاہے طلاق بائن ایک دی جائے یا دو یا تین۔ مگر جہاں تین کا عدد پورا ہونے سے پہلے مرد عدت کے اندر یا عدت کے بعد اسی عورت سے اس کی رضامندی اور نئے مہر کے ساتھ دوبارہ (بغیر حلالے کے) نکاح کر سکتا ہے۔

نوٹ: طلاقِ رجعی کے برعکس طلاقِ بائن میں مرد کو عورت سے نئے نکاح کے بغیر ہم بستری کا حق باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ طلاقِ رجعی میں نکاح باقی رہتا ہے، جب کہ طلاقِ بائن میں نکاح فوراً ٹوٹ جاتا ہے۔

طلاقِ مُغَلَّظہ: (سخت طلاق) اکٹھا طور پر یا متفرق طور پر تین طلاق دینا طلاقِ مغلظہ ہے، خواہ وہ ایک ہی مجلس (بیٹھک) میں ہوں یا ایک ہی طہر میں دی گئی ہوں۔ ایسی صورت میں نہ تو مرد کو رجوع کرنے (یعنی دی ہوئی طلاق واپس لینے) کا اختیار باقی رہتا ہے اور نہ وہ بغیر

حلالے کے دوبارہ اُس عورت سے نیا نکاح کر سکتا ہے۔ (طلاقِ مُغلّظہ کی چند دوسری صورتیں بھی ہیں جن کا ذکر اگلے صفحات میں کیا گیا ہے۔)

رَجعت: (رُجوع کرنا یا لَوٹنا) عدّت کی حالت میں مطلقہ عورت کو نئے نکاح کے بغیر پھر سے بیوی بنا لینا۔

عِدّت: (گِنتی یا گِنتی کرنا) طلاق کے بعد یا شوہر کی وفات کے بعد ایک مقررہ مدّت تک عورت کا وہ انتظار جو شوہر کی جانب سے مِلکِ نکاح کے زائل ہو جانے پر شریعت کی جانب سے لازم آتا ہے۔ اور اس مدت کے درمیان عورت نکاحِ ثانی نہیں کر سکتی۔

طلاقِ اَحسن: (سب سے اچھی طلاق) مدخولہ عورت کو ایسے طُہر میں ایک طلاق دینا جس میں اُس نے عورت سے ہم بستری نہیں کی ہے، یہاں تک کہ اُس کی عدّت گزر جائے۔

طلاقِ حَسن: (اچھی طلاق) مدخولہ (صحبت شدہ) عورت کو تین طُہروں میں تین طلاق (ہر طُہر میں ایک ایک کر کے) ہم بستری کئے بغیر دینا۔ (کیونکہ جس طُہر میں عورت سے ہم بستری کی جا چکی ہو اُس میں طلاق دینا حرام ہے)۔

طلاقِ بدعی: (خلافِ سنّت طلاق) حیض کی حالت میں طلاق دینا، یا ایسے طُہر میں طلاق دینا جس میں مرد عورت سے ہم بستری کر چکا ہو، یا ایک ہی طُہر میں تین طلاق دینا، خواہ وہ بیک لفظ ہو یا متفرق طور پر۔ مثلاً کوئی یوں کہے کہ "تجھے تین طلاق ہے"۔ یا یوں کہے کہ "تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے"۔ یا تھوڑی تھوڑی دیر کے وقفے سے یا ایک ایک دن کے وقفے سے ایک ایک طلاق دے ڈالے۔ ان سب صورتوں میں طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر طلاق دینے والا گنہگار ہوگا۔

حَلالہ: یعنی عورت کا دوبارہ حلال ہونا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک شخص اپنی منکوحہ کو تین طلاق (خواہ وہ جس شکل میں بھی ہوں) دے دے تو وہ دوسرا نکاح کئے بغیر پہلے کے لئے

عه اس مسئلے پر تفصیل کے لئے دیکھئے تیسرا باب حدیث ۵

حلال نہیں ہوسکتی۔ اور اس کے لئے حسبِ ذیل شرطیں ہیں۔ (۱) دوسرا نکاح صحیح طریقے سے منعقد ہوا ہو۔ (۲) دوسرا شوہر ہم بستری کر چکا ہو۔ (۳) پھر دوسرا شوہر از خود طلاق دے چکا ہو یا وفات پا چکا ہو۔ (۴) دوسرے شوہر سے طلاق لینے کے بعد اس کی عدت بھی گزر چکی ہو۔ پھر اس کے بعد عورت اگر پہلے خاوند سے نکاح کرنے پر رضامند ہو تو نئے مہر اور نئے گواہوں کے ساتھ دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ مگر واضح رہے کہ حلالے کے لئے مشروط طور پر نکاح کرنا اور کرانا حرام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نکاح کرنے اور کرانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

مُطَلَّقہ: (طلاق شدہ) وہ عورت جسے طلاق دی جا چکی ہو۔ یعنی طلاق والی۔

(مُطَلَّقہ) بائنہ صُغریٰ: (چھوٹی جدائی والی) اس مطلقہ عورت کو کہا جاتا ہے جس سے عدت کے اندر رجوع نہیں کیا جا سکتا (بخلاف مطلقہ رجعیہ کے)۔ مگر ہاں ایسی عورت سے عدت کے اندر یا عدت کے بعد بغیر حلالے کے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

(مُطَلَّقہ) بائنہ کُبریٰ: (بڑی جدائی والی) وہ مطلقہ جو طلاق کے فوراً بعد حرام ہو جاتی ہے۔ یعنی تین طلاق والی۔ خواہ اسے تین طلاق یکبارگی دی گئی ہوں یا الگ الگ۔ اور ایسی عورت طلاق دینے والے پر اس وقت تک حرام رہتی ہے جب تک کہ اس کا حلالہ نہ ہو جائے۔

مُطَلَّقہ رجعیہ: وہ مطلقہ جس کو طلاق رجعی دی گئی ہو۔ یعنی لوٹانے والی طلاق جو ایک یا دو تک ہو (تین سے کم)۔

مدخولہ (دخول شدہ) وہ عورت جس سے نکاح کے بعد مباشرت (ہم بستری) کی جا چکی ہو۔

غیر مدخولہ: (غیر دخول شدہ) وہ عورت جس سے نکاح کے بعد مباشرت نہ کی گئی ہو۔

منکوحہ: (نکاح کی ہوئی) وہ عورت جو قیدِ نکاح میں ہو یعنی بیاہی ہوئی۔

طلاق کے سلسلے میں

چند ضروری باتیں

نکاح کا اصل مقصد

اللہ نے مرد و عورت کو ایک دوسرے کا لباس کہا ہے۔ (بقرہ: ۱۸۷) یعنی دونوں ایک دوسرے کی زینت اور پردہ پوشی کا باعث ہیں۔ اور ایک دوسرے موقع پر فرمایا ہے کہ عورتیں مردوں کے لئے سکون قلب اور راحت کا ذریعہ ہیں۔ (روم: ۲۱) اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کی تسکین و راحت اور باہمی ہمدردی و غمخواری کے لئے پیدا کیا ہے۔ مذکر و مونث کی تخلیق کی غرض یہ ہے۔ اور اسی اعتبار سے مرد اور عورت کا تعلق نکاح کے ذریعہ عمر بھر کے لئے ہونا چاہئے۔ یعنی جب کوئی نکاح کا ارادہ کرے تو اس کے سامنے اہم مقصد یہ ہو کہ وہ اپنی رفیقہ حیات کے ساتھ وابستہ ہو کر عمر بھر اس کو بہترین ساتھی بنائے گا اور باہمی ہمدردی و غمخواری کے ذریعہ اس کے ساتھ زندگی گزارے گا۔ تاکہ اس طرح وہ گناہوں سے بچے اور ایک پاکیزہ زندگی گزارنے میں بھی مدد ملے۔ اور یہ جذبہ و ارادہ میاں بیوی دونوں میں ہونا ضروری ہے تاکہ وہ دونوں مل کر زندگی کی گاڑی کو آگے بڑھا سکیں اور ایک دوسرے پر عائد ہونے والے حقوق و فرائض بخوبی ادا کر سکیں۔ اس طرح ماں باپ بنیں، باعث نسل انسانی کا تسلسل بھی قائم رہے گا اور تمدن و معاشرت میں توازن اور استحکام بھی پیدا ہوگا۔ جو کہ ایک مثالی زندگی کے لئے مطلوب ہے۔

حسن معاشرت کا تقاضا

انسانی زندگی ہمیشہ اور ہر حال میں یکساں نہیں رہتی۔ بلکہ اس میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں۔ کبھی میاں کو بیوی کی کوئی حرکت ناپسند ہوتی ہے تو کبھی اس کے برعکس بیوی کو میاں کی کسی بات سے چڑ ہو جاتی ہے۔ اور ایسا ہونا ایک فطری بات ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسی معمولی

معقول بات یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے جُدا ہونے کا فیصلہ کر لیں۔ بلکہ دونوں کو ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ عورت پسلی کی ہڈی سے پیدا کی گئی ہے، جو ٹیڑھی ہوتی ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کی فطرت میں کچھ نقص رہتا ہے، جسے برداشت کرنا چاہیے۔ ورنہ اسے بالکل سیدھا کرنے کی کوشش میں اس کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ یعنی ایسی صورت میں نتیجہ طلاق ہو سکتا ہے۔ اور قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اگر اسے عورت کی کوئی بات یا اس کی کوئی عادت ناپسند ہو تو حُسنِ معاشرت اور حُسنِ اخلاق کے تقاضے کے لحاظ سے وہ اسے برداشت کرنے کی عادت ڈالے۔ نہ کہ جھٹ خفا ہو کر طلاق دے بیٹھے۔ اگر کسی عورت میں کچھ خامیاں ہوں تو اُس میں کچھ خوبیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا مردوں کو عورتوں کی خامیوں سے زیادہ اُن کی خوبیوں پر نظر کرنی چاہیے۔ اور اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس صبر و تحمل کے عوض میں مردوں کے لئے انجام کار بہت سی بھلائیاں رکھ چھوڑی ہوں۔ (نساء : ۱۹) اس اعتبار سے مرد کو جلد بازی میں کوئی اقدام نہیں کرنا چاہیے۔ نیز اس سلسلے میں مرد کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرنا اس کے مسئلے کا صحیح علاج نہیں ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ دوسری بیوی میں وہ خوبیاں موجود نہ ہوں جو پہلی بیوی میں پائی جاتی ہوں۔

طلاق سے پہلے اصلاح ضروری

بہرحال میاں بیوی کے درمیان اختلافات جب شدت اختیار کر لیں، جس کی بنا پر دونوں کو ایک دوسرے کے فرائض ادا کرنا مشکل ہو جائے تو اس صورت میں قرآن مجید کا حکم ہے کہ طلاق دینے سے پہلے ایک پنچ یا ثالث بیچ کر ان دونوں کے اختلافات کا فیصلہ کرنے کی کوشش کرے۔ (نساء : ۳۵) اور اس کی صورت یہ ہے کہ شوہر کے گھرانے سے ایک ذمہ دار آدمی اور بیوی کے گھرانے سے ایک ذمہ دار آدمی مل کر دونوں کے بیانات سنیں اور جہاں تک ممکن ہو ان کے درمیان صلح صفائی کرنے کی کوشش کریں۔ مگر اس کے باوجود بھی کوئی تصفیہ نہ ہو سکے اور میاں بیوی ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئیں تو

اس صورت میں طلاق کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ اور طلاق ان دونوں ثالثوں کی سفارش سے ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ مطلب یہ کہ ان دونوں کو یہ یقین ہو جائے کہ میاں بیوی کو جدا کر دینا (طلاق دلا دینا) ہی ان کے حق میں مناسب ہوگا۔ گویا کہ اب وہ دونوں مل جل کر زندگی گزارنے پر کسی بھی طرح راضی نہیں کیے جا سکتے۔

طلاق دینے کا صحیح طریقہ

مگر اس صورت میں بھی یک وقت تین طلاق دینا جائز نہیں ہے۔ بلکہ عورت کو صرف ایک طلاق دینی چاہیے۔ کیونکہ اس کے بعد مرد کو عورت کی عدت کے اندر ایسی طلاق واپس لینے کا اختیار باقی رہتا ہے۔ مگر یک وقت تین طلاق دینے کی صورت میں یہ اختیار ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ نیز طلاق کے سلسلے میں یہ بات بھی خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اپنی عورت کو جب اور جس وقت چاہا طلاق نہیں دی جا سکتی۔ بلکہ اس کے لئے دو بنیادی شرطیں ہیں جو یہ ہیں: (۱) عورت پاکی کی حالت میں ہو، یعنی حیض کی حالت میں نہ ہو۔ (۲) شوہر جس طہر (پاکی کی حالت) میں بیوی کو طلاق دے رہا ہے اُس میں اُس نے بیوی سے ہم بستری نہ کی ہو۔ ورنہ ایسی طلاق شریعت کی نظر میں ناجائز اور حرام ہوگی۔

حاصل یہ کہ عورت کو یک وقت تین طلاق دینا، یا حیض کی حالت میں طلاق دینا، یا ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں وہ عورت سے ہم بستری کر چکا ہو، بہت بڑا گناہ ہے۔ اور فقہاء ایسا کرنے کو حرام بتاتے ہیں۔ کیونکہ یہ طریقہ جاہلانہ اور شریعت اسلامی کے خلاف ہے۔ مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ نے اُنہیں طلاق کا حق اس لئے نہیں دیا کہ وہ جب چاہیں اور جس طرح چاہیں طلاق دے دیں۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔ اور اس فعل کی بدولت نہ صرف میاں بیوی کے تعلقات متاثر ہوتے ہیں بلکہ دو خاندانوں میں دائمی طور پر نفرت اور دشمنی بھی پیدا ہو جاتی ہے، جس سے شیطان اور اُس کے چیلوں کو بڑی خوشی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا طلاق کے حق کو بہت سوچ سمجھ کر استعمال کرنا چاہیے۔ طلاق کوئی کھلونا نہیں ہے کہ ایک شخص اُسے ہاتھ میں لے کر کھیلنے بیٹھ جائے۔ بلکہ طلاق دینے سے پہلے آدمی کو ہزار بار سوچ لینا چاہیے کہ وہ کیا کرنے جا رہا ہے! طلاق کا لفظ منہ سے نکالتے ہی رشتۂ ازدواج پوری طرح کٹ جاتا ہے اور عند اللہ طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

خواہ وہ بعد میں جھوٹ بول کر اپنے قول سے مکر جائے۔ مگر وہ آخرت کی سزا سے تو کسی حال میں بچ نہیں سکتا۔ لہٰذا ہر مسلمان کو طلاق کے استعمال کے وقت خدا اور آخرت کا خوف کرنا چاہئے۔ اور اللہ کے قائم کردہ حدود و ضوابط سے کسی بھی حال میں تجاوز نہیں کرنا چاہئے۔ ورنہ ایسے شخص کا انجام بہت برا ہو سکتا ہے۔

طلاق کب جائز اور کب ناجائز ہو گی ؟

بعض علماء نے لکھا ہے کہ طلاق کے جائز یا ناجائز ہونے کے اعتبار سے چار قسمیں ہیں جو یہ ہیں :

(۱) واجب (۲) مستحب (۳) حرام (۴) اور مکروہ۔

۱۔ طلاق واجب اُس وقت ہو جاتی ہے جب کہ میاں بیوی کے جھگڑے میں فیصلہ کرنے والے ثالثوں کی رائے یہ ہو کہ ان دونوں کو الگ کر دینا ہی بہتر ہے۔

۲۔ طلاق مستحب (بہتر) اُس وقت ہوتی ہے جب کہ میاں بیوی متفق نہ ہوں اور ان دونوں کے درمیان جھگڑا شدت اختیار کر لے۔ اس صورت میں گناہ سے بچنے کے لئے ان دونوں کا الگ ہو جانا ہی بہتر ہے۔

۳۔ طلاق ناجائز یا حرام اُس صورت میں ہوتی ہے جب کہ مدخولہ (صحبت شدہ) عورت کو حیض کی حالت میں طلاق دی جائے۔ یا ایسے طُہر میں طلاق دی جائے جس میں عورت سے ہم بستری کی جا چکی ہو۔

۴۔ اور طلاق مکروہ (ناپسندیدہ) اُس صورت میں ہو گی جب کہ میاں بیوی کے تعلقات نارمل ہوں اور دونوں ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے ہوں۔ (تفسیر ابن جوزی ۱/۲۶۳)

طلاقِ مُغلّظہ کی چند صورتیں

طلاقِ مُغلّظہ (سخت طلاق) کی حقیقت اکثر لوگوں پر واضح نہیں ہے۔ یا لوگ عام طور پر اس کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ بیک وقت تین طلاق دے دینے کا نام ہے۔ مگر وہ سُنت طریقے کے مطابق تین بار ترتیب (یعنی الگ الگ طور پر) دینے سے بھی واقع ہو سکتی ہے۔

بہر حال اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں جو یہ ہیں :

۱۔ کسی نے ایک ہی لفظ میں تین طلاق دے دی، جیسے یوں کہا کہ "تجھے تین طلاق ہے"۔ یا یوں کہا "میں نے تجھے تین طلاق دی"۔ یا ایک ہی مجلس میں متفرق طور پر تین طلاقیں دیں یعنی ایک ہی بیٹھک میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے ایک ایک کر کے)۔ جیسے یوں کہا کہ تجھے طلاق ہے یا تجھے ایک طلاق ہے۔ اور پھر تھوڑی دیر کے بعد یوں کہا تجھے دوسری طلاق ہے۔ اسی طرح پھر تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ تجھے تیسری طلاق ہے۔ تو ان دونوں صورتوں میں عورت پر طلاقِ مُغلّظہ پڑ جاتی ہے۔ اور عورت طلاق دینے والے پر فوری طور پر حرام ہو جاتی ہے اور اُس وقت تک حرام رہتی ہے جب تک کہ وہ دوسرا نکاح نہ کر لے اور پھر وہ دوسرے شوہر سے ہم بستر ہونے کے بعد اُس سے طلاق حاصل نہ کر لے، یا دوسرا شوہر فوت نہ ہو جائے۔

۲۔ دوسری صورت یہ کہ عورت کو سُنّت طریقے کے مطابق طُہر (پاکی کی حالت) میں ایک طلاق دی، پھر حیض آنے کے بعد دوسرے طُہر میں دوسری طلاق دی۔ پھر اسی طرح تیسرے طُہر میں تیسری طلاق دی۔ تو اس صورت میں بھی طلاقِ مُغلّظہ واقع ہو جاتی ہے۔ اگرچہ اس طرح طلاق دینا جائز ہے، بخلاف پہلی قسم کے جو ناجائز ہے۔ (اور اس قسم کی طلاق کو اصطلاح میں "طلاقِ حَسَن" کہتے ہیں)۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ عورت کو سُنّت طریقے کے مطابق ایک طلاق دی، مگر عدّت کے دوران اُس سے رجوع کر لیا۔ تو اس صورت میں میاں بیوی کے تعلقات تو بحال ہو گئے، مگر ایک طلاق کا حق اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اب اُس کے ہاتھ میں صرف دو طلاقوں کا حق باقی رہ جاتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر آئندہ پھر کبھی وہ سُنّت طریقے کے مطابق دوبارہ ایک طلاق دیتا ہے تو اس صورت میں دو طلاقوں کا حق اُس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اور اُس کے ہاتھ میں اب صرف ایک ہی طلاق کا حق باقی رہ جاتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ اس کے بعد پھر کبھی (خواہ وہ کتنی ہی مدت کے بعد کیوں نہ ہو) سہ بارہ صرف ایک ہی طلاق دینے کی صورت میں بھی عورت پر طلاقِ مغلّظہ واقع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اب تین کا عدد پورا ہو چکا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں تیسری طلاق دیتے ہی بیوی فوراً حرام ہو جاتی ہے اور اُس کا

"حلالہ" ہونے تک وہ حرام رہتی ہے۔

تین طلاق دینے والے کو سزا دی جائے

بعض حدیثوں میں آتا ہے کہ خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن الخطابؓ اپنے دورِ خلافت میں یک وقت تین طلاق دینے والوں کی پٹائی کرتے تھے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک ایسے شخص کو آپ کے پاس لایا گیا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں تو آپ نے اس کی پیٹھ پر مارا۔ (شرح معانی الآثار ۳۰/۲)

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ غیر مدخولہ عورت کو تین طلاق دینے پر حضرت عمرؓ میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دیتے (دونوں کو جدا کر دیتے) اور شوہر کی پٹائی کرتے تھے۔ (مصنف عبد الرزاق ۳۴۴/۶)

ایک اور حدیث میں مذکور ہے کہ مدینہ میں ایک بیکار قسم کا آدمی تھا جس نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دیں تو اس نے حضرت عمرؓ سے رجوع کیا اور کہا کہ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ اس پر آپ نے اس کے سر پر دُرّہ بلند کیا اور میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲/۵)

اس طرح کی تادیبی کارروائی آج بھی بہت ضروری ہے۔ تاکہ لوگ اس قسم کے واقعات سے عبرت حاصل کرتے ہوئے طلاق دینے کے اس غلط طریقے سے باز آئیں اگر کسی شہر یا ملک میں اس طرح چند لوگوں کی پٹائی کی جائے اور پبلک مقامات میں ایسے لوگوں کو دو چار دُرّے لگائے جائیں تو اس کی بڑی تشہیر ہو سکتی ہے اور لوگ غلط طریقے سے باز آ سکتے ہیں۔ بلکہ موجودہ حالات میں یہ اقدام بہت ضروری ہے۔ اور ضرورت ہے کہ مسلم ملکوں میں آج اس نسخہ کو پھر سے آزمایا جائے، جس کی وجہ سے معاشرتی خرابیوں کا سدباب ہو سکتا ہے۔

طلاق کے بعض ضروری مسائل

فقہ اسلامی کی روشنی میں

قرآن اور حدیث میں مذکور طلاق اور عدت کے احکام و مسائل بیان کرنے اور ان کی تشریح و تفسیر کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ فقہ اسلامی میں ان احکام و مسائل کی جو تعریف و توجیہ فقہاء نے کی ہے انہیں بعض ضروری مسائل کے ساتھ بطور تمہید بیان کر دیا جائے تاکہ ان مسائل کی نوعیت اور ان کا صحیح تصور و خاکہ قارئین کے ذہن میں رہے، جس کے باعث قرآن اور حدیث کے احکام کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے

طلاق کی تعریف

(۱) لغت میں طلاق کے معنی ہیں "بندش کھول دینا" جیسے گھوڑے یا قیدی کی بندش کھول دینا (انہیں آزاد کر دینا) اور اصطلاح شریعت میں اس سے مراد "میاں بیوی کے درمیان نکاح کی بندش کھول دینا ہے"[1] یعنی قید نکاح سے چھٹکارا حاصل کر لینا۔

طلاق کے ارکان

(۲) طلاق کے چار ارکان ہیں جو یہ ہیں:-

۱- طلاق کا پہلا رکن شوہر ہے۔ چنانچہ طلاق صرف شوہر کے دینے ہی کی وجہ سے واقع ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی اجنبی و غیر متعلق شخص (مثلاً شوہر کا باپ یا بھائی وغیرہ) طلاق دے دے تو وہ واقع نہیں ہوگی۔ کیونکہ ایسے غیر متعلق افراد طلاق دینے کے مجاز نہیں ہیں، جن کے ہاتھ میں نکاح کو توڑنے کا حق نہیں ہے۔ اور یہ بات طلاق کی تعریف سے معلوم ہو چکی ہے کہ طلاق کے معنی نکاح کی بندش کھول دینے کے ہیں۔ (ہاں اگر شوہر طلاق دینے کے لئے کسی کو وکیل مقرر کر دے تو اس صورت میں طلاق واقع ہو سکتی ہے)

۲- طلاق کا دوسرا رکن بیوی ہے۔ چنانچہ اگر وہ کسی اجنبی عورت کو طلاق دے دے تو وہ

---

[1] کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعۃ، ۴/۲۷۸، مطبوعہ بیروت

واقع نہیں ہوگی۔ (الا یہ کہ طلاق دینے والا اُس کے شوہر کی جانب سے وکیل ہو)۔

۳- طلاق کا تیسرا رکن صیغۂ طلاق ہے۔ یعنی طلاق ایسے لفظ کے ذریعہ دی جائے جو قید نکاح کو رفع کرنے پر دلالت کرنے والا ہو، خواہ وہ لفظ صریح ہو یا مجاز و کنایہ (یعنی گول مول لفظ)۔ اس کی تفصیل اگلے صفحات میں "طلاق صریح" اور "طلاق کنایہ" کے تحت آئے گی۔

۴- طلاق کا چوتھا رکن قصد و ارادہ ہے۔ یعنی طلاق کا لفظ استعمال کرتے وقت طلاق دینا مقصود ہو۔ چنانچہ اگر کسی کی بیوی کا نام طاہرہ ہو اور اس نے غلطی سے "اے طاہرہ" کے بجائے "اے طالقہ" (اے طلاق والی) کہہ دیا تو اس سے عنداللہ طلاق واقع نہ ہوگی۔ مگر قاضی طلاق واقع ہو جانے کا فیصلہ کرے گا، کیونکہ نیتوں کا حال صرف خدا ہی کو معلوم ہے۔[1]

طلاق کی شرائط

(۳) طلاق دینے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ :-

۱- عاقل ہو۔ لہذا مجنون یا پاگل شخص کی طلاق واقع نہ ہوگی۔

۲- بالغ ہو۔ لہذا نابالغ کی طلاق واقع نہ ہوگی۔

۳- نیند کی حالت میں نہ ہو، بلکہ بیداری کی حالت میں طلاق دے رہا ہو۔[2]

(۴) مسئلہ: اگر کسی نے ازراہِ مذاق طلاق دی تو وہ واقع ہو جائے گی۔[3]

(۵) مسئلہ: اگر کسی نے نشہ کی حالت میں طلاق دی تو وہ واقع ہو جائے گی،[4] چاہے وہ نشہ شراب کی وجہ سے ہو یا بھنگ اور افیون وغیرہ کی وجہ سے۔ اور اس سے مراد ایسا بدمست شخص ہے جس کو مرد اور عورت یا زمین و آسمان میں کوئی فرق دکھائی نہ دے۔[5]

---

۱ خلاصہ از کتاب الفقہ، ۲۸۰/۴ – ۲۸۱

۲ درمختار مع حاشیہ ردالمحتار ۵۹۳/۲، نیز ہدایہ اولین ص ۳۳۸

۳ ردالمحتار، ۵۹۱/۲، مطبوعہ کوئٹہ (پاکستان)

۴ ہدایہ، اولین، ص ۳۳۸

۵ درمختار مع ردالمحتار، ۵۹۱/۲ – ۵۹۰

(۶) مسئلہ: اگر کسی کو مجبور کر کے زبردستی اس کی بیوی کو طلاق دلائی گئی تو حنفی مسلک کے مطابق ایسی طلاق واقع ہو جائے گی۔[7]

(۷) مسئلہ: اگر کسی نے غصہ کی حالت میں طلاق دی ہے تو بعض علماء نے (تحقیقی طور پر) اس کی تین قسمیں قرار دی ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ طلاق ایسی حالت میں دی ہے جب کہ غصہ کا آغاز ہوا ہے اور اس کی عقل یا ہوش میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے۔ بلکہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس کے مفہوم کو وہ اچھی طرح جانتا اور سمجھتا ہے۔ تو اس صورت میں بلاشبہ طلاق پڑ جائے گی اور بالاتفاق اس کے کلام کے مطابق حکم نافذ کیا جائے گا۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ طلاق دینے والے کا غصہ اپنی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ اس طور پر کہ اس کی عقل و ہوش میں فتور آگیا تھا جس کی وجہ سے وہ ایک پاگل شخص کی طرح ہو گیا تھا۔ اور اس بنا پر وہ اپنے کلام کے مفہوم و مدعا کو بھی ٹھیک طرح سمجھ ہی نہیں پا رہا تھا۔ تو اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں وہ اور ایک پاگل شخص دونوں برابر ہیں۔

۳۔ تیسری صورت یہ کہ غصہ ان دونوں حالتوں کے درمیان تھا۔ اس طور پر کہ غصہ سخت اور اس کے مزاج کے خلاف تو تھا مگر وہ پاگل بھی نہیں ہو گیا تھا کہ جو کچھ کہہ رہا ہے اسے وہ سمجھ ہی نہ پا رہا ہو۔ جمہور علماء کے نزدیک اس صورت میں بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔[8]

(۸) مسئلہ: وہ شخص جس کی عقل میں فتور آگیا ہو یا جو سرسام زدہ (ہذیانی کیفیت میں مبتلا) ہو یا جو بے ہوش ہو یا جس کی عقل زائل ہو گئی ہو۔ اس قسم کے لوگوں کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔[9]

جائز اور ناجائز طلاق کا بیان

(۹) یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اپنی منکوحہ عورت کو جب چاہا اور جس وقت چاہا طلاق

---

۷ ہدایہ، اولین، ص ۳۴۸

۸ کتاب الفقہ، از شیخ عبدالرحمٰن جزیری، ۲۹۴/۴

۹ درمختار برحاشیہ ردالمحتار، ۶۶۲/۲ - ۶۶۳

نہیں دی جا سکتی۔ بلکہ اس کے لئے کچھ قیود اور شرطیں ہیں۔ جن کو ملحوظ نہ رکھنے کی صورت میں طلاق دینے والا گنہگار ہوگا۔ لہٰذا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان مسائل کو اچھی طرح سمجھ لے۔ غرض طلاق کے جائز اور ناجائز ہونے کے اعتبار سے اس کی تین قسمیں ہیں جو یہ ہیں: (۱) طلاق احسن (۲) طلاق حسن (۳) طلاق بدعی۔ ان میں سے پہلی دو قسمیں جائز اور تیسری قسم ناجائز اور حرام ہے۔ مگر جائز قسموں میں بھی پہلی قسم (طلاق احسن) ہی سب سے بہتر ہے، جس میں مرد کو شرمندہ ہونے کی نوبت نہیں آتی۔ ان تینوں کی تعریف اور حکم حسب ذیل ہے:

۱۔ طلاق احسن (سب سے اچھی طلاق)

(۱۰) طلاق احسن وہ طلاق ہے جس کے مطابق مدخولہ عورت (جس سے صحبت کی جا چکی ہو) کو ایسے طہر (پاکی کی حالت) میں جس میں اس نے مباشرت نہ کی ہو ایک طلاق دے کر چھوڑ دے، یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے۔ (مثلاً یوں کہے کہ میں نے تجھے ایک طلاق دی۔ یا یوں کہے کہ میں نے تجھے ایک طلاق رجعی دی۔ یعنی لوٹانے والی طلاق دی۔ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے)۔

اس طلاق کا فائدہ یہ ہے چونکہ مرد نے صرف ایک طلاق (رجعی) دی ہے لہٰذا ابھی دو مزید طلاقوں کا اختیار اس کے پاس محفوظ ہے۔ اس لئے اس کا نکاح ابھی نہیں ٹوٹا۔ لہٰذا وہ عدت کے اندر جب چاہے رجوع کر کے (یعنی دی ہوئی طلاق واپس لے کر) مطلقہ کو پھر سے بیوی بنا سکتا ہے۔ اور اگر عدت کے اندر رجوع نہیں کیا تو عدت گزر جانے کے بعد بغیر حلالے کے عورت کی رضامندی سے دوبارہ نئے سرے سے اور نئے مہر کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔

(۱۱) مسئلہ: اگر وہ عدت کے اندر مطلقہ سے رجوع کرے یا عدت کے بعد اسی عورت سے دوبارہ نکاح کر لے تو اس صورت میں ایک طلاق کا حق اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اور اب اس کے پاس صرف دو طلاقیں باقی رہتی ہیں۔ (مطلب یہ کہ وہ آئندہ صرف دو ہی طلاقیں استعمال کر سکتا ہے)۔

(۱۲) مسئلہ: اگر آئندہ پھر کسی وجہ سے اسی عورت کو پھر دوبارہ ایک طلاق دے دے تو اس صورت میں دو طلاقوں کا حق اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور اس کے پاس صرف ایک ہی طلاق بچی

رہتی ہے۔ چنانچہ اگر وہ آئندہ مستقبل میں خدانخواستہ اُس عورت کو پھر کسی وجہ سے تیسری بار ایک طلاق دے دے تو اب چونکہ تین کا عدد پورا ہو چکا ہے اس لئے عورت اُس پر حرام ہو جاتی ہے۔ یعنی اُس پر "طلاقِ مغلظہ" (سخت طلاق) واقع ہو جاتی ہے۔ اور وہ بغیر حلالے کے طلاق دینے والے کے لئے حلال نہیں رہتی۔[1]

(۱۳) مسئلہ: حلالے کے بعد عورت جب پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کرے تو اس صورت میں اُسے تینوں طلاقوں کا حق نئے سرے سے حاصل ہو جاتا ہے۔[2]

۲۔ طلاقِ حسن (اچھی طلاق)

(۱۴) مدخولہ عورت (جس سے مباشرت کی جا چکی ہو) کو تین الگ الگ طُہروں میں ہم بستری کئے بغیر ایک ایک طلاق دینا۔ (مثلاً پہلے طُہر میں یوں کہے کہ میں نے تجھے ایک طلاق دی۔ دوسرے طُہر میں یوں کہے کہ میں نے تجھے دوسری طلاق دی۔ اور تیسرے طُہر میں یوں کہے کہ میں نے تجھے تیسری طلاق دی۔ لیکن اگر وہ اس طرح ایک یا دو طلاقیں دینے کے بعد عورت سے ہم بستری کر لے تو رجعت ثابت ہو جائے گی۔ گویا کہ اُس نے اپنی طلاق سے رجوع کر لیا ہے۔ اس کی تفصیل رجعت کے بیان میں آئے گی۔ لیکن تیسری طلاق کے بعد عورت سے ہم بستری کرنا اگرچہ وہ عدت ہی کے دوران ہو بالکل حرام ہے۔ کیونکہ تین کا عدد پورا ہو جانے کے بعد وہ بیوی نہیں رہتی)۔

غرض اس طرح طلاق دینا (یعنی تین طُہروں میں ایک ایک کر کے) جائز تو ہے مگر اس کا نقصان یہ ہے کہ تین کا عدد پورا ہونے کے بعد عورت بائنہ کبریٰ (بڑی جدائی والی) بن جاتی ہے۔ یعنی طلاقِ مغلظہ واقع ہو جاتی ہے، جس کی تلافی حلالے کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا بہتر طریقہ یہ ہے کہ مرد اپنی عورت کو صرف ایک طلاق (یعنی طلاقِ احسن) دے کر چھوڑ دے، جس میں بہت سارے فائدے ہیں۔ جیسا کہ تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

---

[1] یہ مسائل مختلف کتبِ فقہ (ہدایہ، بدائع الصنائع اور کتاب الفقہ وغیرہ) سے ماخوذ ہیں، اور سہولت کی غرض سے انہیں اپنے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

[2] ہدایہ، ۲ آخرین، ص ۳۸۰

(۱۵) مسئلہ: طلاقِ حسن میں مرد ایک یا دو طلاقیں دے چکنے کے بعد بھی عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے۔ مگر عدت گزر جانے یا تین کا عدد پورا ہو جانے کی صورت میں رجوع نہیں کر سکتا۔

(۱۶) مسئلہ: دو طلاقیں دینے کے بعد اگر تیسری طلاق دینے سے پہلے عدت گزر جائے تو ایسی صورت میں بغیر حلالے کے دوبارہ نئے سرے سے نئے مہر کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں عورت "بائنہ صغریٰ" (چھوٹی جدائی والی) کے حکم میں رہتی ہے۔ مگر اس کے بعد مرد کو صرف ایک ہی طلاق دینے کا حق باقی رہتا ہے، کیونکہ دو طلاقیں پہلے ہی اُس کے ہاتھ سے نکل چکی ہیں۔[۱]

(۱۷) نوٹ: طلاقِ احسن اور طلاقِ حسن دونوں کو "طلاقِ سنت" بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ مختلف حدیثوں سے دونوں طرح طلاق دینے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ مگر طلاقِ احسن ہی سب سے اچھی طلاق ہے۔

۲- طلاقِ بدعی (غیر مسنون طلاق)

(۱۸) طلاقِ بدعی کا مطلب ہے خلافِ سنت۔ اور اس کی چار صورتیں ہیں جو یہ ہیں:

۱- مدخولہ عورت کو حیض کی حالت میں طلاق دینا۔

۲- یا اُسے ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں اُس سے مباشرت کر چکا ہو۔

۳- یا ایک لفظ تین طلاق دینا۔

۴- یا ایک ہی طہر میں الگ الگ تین طلاقیں دینا۔

ان سب صورتوں میں طلاق پڑ جاتی ہے۔ اگر ایک دی ہے تو ایک، دو دی ہیں تو دو، اور اگر تین دی ہیں تو تینوں طلاقیں پڑ جاتی ہیں۔ مگر ایسا کرنا باعثِ گناہ اور حرام ہے۔ کیونکہ یہ طریقہ شریعت کی نظر میں سخت ناپسندیدہ ہے۔[۲]

---

[۱] یہ مسئلہ مختلف کتب فقہ (ہدایہ، بدائع الصنائع، و کتاب الفقہ وغیرہ) سے اپنے الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں۔

[۲] ماخوذ از فقہ السنہ، ج ۲، ص ۲۲۵، بدائع الصنائع ۳/ ۹۰-۹۳، مطبوعہ کراچی۔ اس موضوع پر قرآن اور حدیث کے بعض دلائل آگے اپنے باب میں مذکور ہیں۔

(۱۹) اس طرح طلاق دینے کی وجہ سے نہ صرف عورت کو نقصان پہنچتا ہے بلکہ معاشرتی اور تمدنی اعتبار سے بھی یہ فعل باعث فساد ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے (ایک وقت تین طلاق دینے کی صورت میں) نہ صرف مصالحت کا دروازہ بند ہو کر ایک خاندان ٹوٹ جاتا ہے، بلکہ میاں بیوی کے رشتہ داروں میں بھی باہمی عداوت اور دشمنی ہمیشہ کے لئے پیدا ہو جاتی ہے، جو پشتوں تک چلتی رہتی ہے۔ اسلام چونکہ دنیا میں امن قائم کرنے اور جھگڑے فسادات مٹانے کے لئے آیا ہے، اس لئے وہ نہیں چاہتا کہ کوئی کام جلد بازی میں کر کے اس قسم کی خطرناک خرابیوں کو برپا کر دیا جائے۔ لہٰذا وہ قدم قدم پر تحمل، بردباری اور دانشمندی سے کام لینے کی تلقین کرتا ہے چنانچہ میاں بیوی کے اختلاف کی صورت میں اس نے "طلاق احسن" کا جو طریقہ تجویز کیا ہے وہ اس سلسلے میں ایک بہترین فارمولا ہے، جس سے نہ صرف میاں بیوی کو اپنے رویے پر نظر ثانی کر کے اپنی اصلاح کرنے کا موقع ملتا ہے بلکہ طرفین کے رشتہ داروں کو بھی صلح و صفائی اور بیچ بچاؤ کر کے ایک خاندان کو ٹوٹنے سے بچانے اور فرد کو دور کرنے کا بھی کافی موقع ملتا ہے۔ اور اس قسم کے اسلامی قانون کا مالک آج روئے زمین پر صرف اسلام ہے مگر شرط یہ ہے کہ خود مسلمان اپنی شریعت پر صحیح طریقے سے عمل کریں۔ اور خدا کا خوف کرتے ہوئے اس کی نافرمانی سے بچیں۔ اسلامی قانون پر صحیح طریقے سے عمل کرنے کی صورت میں مسلمان دنیوی خرابیوں کے علاوہ آخرت کی پکڑ سے بھی بچ سکتے ہیں۔ اس طرح اسلامی قانون پر چلنے میں دونوں جہانوں میں فائدہ ہے۔

(۲۰) مسئلہ: اگر کسی نے مدخولہ عورت کو حیض کی حالت میں یا ایسے طہر میں جس میں وہ بیوی سے ہمبستری کر چکا ہے، ایک طلاق دی ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ فوراً اس سے رجوع کرے اور دوبارہ حیض آنے کے بعد پھر پاکی کی حالت میں بغیر جماع کئے ایک طلاق دے۔ (اگر طلاق دینا ضروری ہو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس دوران اس کی رائے بدل جائے اور وہ سرے سے طلاق دینا ہی پسند نہ کرے)۔ خلاصہ یہ کہ "طلاق بدعی کو واپس لے کر (جب کہ وہ ایک یا دو ہو) از سر نو طلاق دینا ضروری ہے۔

نوٹ: طلاق بدعی میں مالکی اور حنفی مسلک کے مطابق رجوع کرنا یعنی طلاق واپس لینا فرض ہے۔[۱]

(۲۱) مسئلہ: حیض کی حالت میں دی ہوئی طلاق شمار ہوتی ہے۔[۲] اسی طرح طلاق بدعی کی

---

[۱] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/۳۰۱
[۲] ہدایہ آخرین ص ۳۲۴، مطبوعہ مجتبائی دہلی

تو ان سب صورتوں میں طلاق رجعی (لوٹانے والی طلاق) پڑے گی۔ کیونکہ یہ الفاظ طلاق ہی کے لئے مخصوص ہیں اور کسی دوسرے مفہوم پر دلالت نہیں کرتے۔ لہٰذا وہ اپنے معنی و مفہوم میں صاف و صریح ہیں اور ان الفاظ کے استعمال سے نص (قرآن) کے مطابق رجعت ثابت ہوتی ہے۔ اور ان الفاظ میں (بالاجماع) نیت کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ان الفاظ کا استعمال غالب طور پر طلاق ہی کے معنی میں ہوتا ہے۔[21]

(۳۰) یہ مسئلہ (جو اوپر مذکور ہوا) مدخولہ عورت کے بارے میں ہے کہ اس سے ایک طلاق رجعی پڑتی ہے۔ ورنہ عورت اگر غیر مدخولہ ہے تو پھر وہ ایک ہی طلاق میں بائن (جدا) ہو جائے گی۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا۔ مگر وہ بائنہ صغریٰ (چھوٹی جدائی والی) رہے گی۔

(۳۱) مسئلہ: عورت سے اگر کچھ معاوضہ لے کر طلاق دی جائے جس کا نام خلع ہے، تو اس صورت میں مدخولہ عورت بائن ہو جاتی ہے۔ اور مرد کو رجعت (رجوع کرنے) کا حق باقی نہیں رہتا[22] (مگر یہ بھی بائنہ صغریٰ کے حکم میں رہتی ہے۔ مطلب یہ کہ ایسی عورت کو صرف نئے نکاح کے ذریعہ پھر سے بیوی بنایا جا سکتا ہے)۔

(۳۲) مسئلہ: اگر کسی نے اپنی عورت کو "تجھے اس طرح طلاق ہے" کہتے ہوئے تین انگلیاں دکھائیں تو اس سے تین طلاق پڑ جائے گی۔ اگر ایک دکھائی تو ایک پڑے گی۔ اور اگر دو دکھائیں تو دو پڑ جائیں گی۔[23]

(۳۳) مسئلہ: اگر کسی نے اپنی عورت سے یوں کہا: "تجھے جدا ہونے والی طلاق ہے" یا یوں کہا: "تجھے قطعی طلاق ہے" (یعنی رشتہ کاٹنے والی) تو اس صورت میں حنفی مذہب کے مطابق عورت پر طلاق بائن پڑ جاتی ہے۔ کیونکہ اگرچہ یہ صاف و صریح لفظ ہے مگر اس کے باوجود کچھ وصف کی زیادتی ور

---

[21] ہدایہ اولین ص ۳۵۹، بدائع الصنائع ۳/۱۰۱

[22] کتاب الفقہ ۴/۳۱۶

[23] ہدایہ ص ۳۶۱

شدت بھی پائی جا رہی ہے[۱]

نوٹ : اس قسم کی طلاق میں جب تک تین کا عدد پورا نہ ہو جائے ، یا تین کی نیت نہ کی جائے ، عورت بائنہ صغریٰ کے حکم میں رہتی ہے ، یعنی ایسی عورت سے بغیر حلالے کے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے ۔ لیکن اگر تین کا عدد پورا ہو جائے یا تین کی نیت کر لی جائے تو پھر بغیر حلالے کے نکاح درست نہ ہوگا ۔

۲ ۔ طلاقِ کنایہ (غیر واضح طلاق)

(۲۴) کنایہ سے مراد غیر واضح اور گول مول لفظ ہے ۔ یہاں پر اس سے مراد ایسے الفاظ استعمال کرنا ہے جو ایک سے زیادہ معنی پر دلالت کرنے والے ہوں ۔ مثلاً کسی نے اپنی منکوحہ سے یوں کہا : " تو جدا ہو چکی ہے " یا " تو حرام ہے " یا " تو اپنے میکے چلی جا " وغیرہ ۔ تو اس سے طلاق مراد بھی ہو سکتی ہے اور نہیں بھی ہو سکتی ۔ لہٰذا اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے کے سلسلے میں قاعدہ یہ ہے کہ محض ان الفاظ کے استعمال سے طلاق نہیں پڑ جاتی بلکہ اس کے لئے نیت یا " دلالتِ حال " کا پایا جانا ضروری ہے ۔ اور اس کی تفصیل اس طرح ہے :

۱ ۔ ان الفاظ کا استعمال اگر طلاق دینے کی نیت سے کیا ہے تب طلاق واقع ہو جائے گی ، ورنہ نہیں ہوگی ۔ (بخلاف طلاقِ صریح کے ، جس میں نیت ضروری نہیں ہے) ۔ لہٰذا اگر کسی نے طلاق کی نیت کے بغیر اس قسم کے الفاظ استعمال کئے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی ۔

۲ ۔ اور اس قسم کے (غیر واضح) الفاظ کے استعمال کی دوسری صورت ، جب کہ بغیر نیت بھی طلاق واقع ہو سکتی ہے ، دلالتِ حال ہے ۔ یعنی یہ الفاظ کسی خاص پس منظر میں استعمال کئے جا رہے ہوں ، جس کی بنا پر ان الفاظ کی دلالت قطعیت کے ساتھ طلاق پر ہو رہی ہو ۔ جیسے شوہر غصے کی حالت میں تھا اور اس وقت یہ الفاظ اپنے منہ سے نکالے ۔ یا میاں بیوی کے درمیان طلاق کی بات ہو رہی تھی کہ شوہر نے اس قسم کے الفاظ کہہ دئے ۔ تو ان دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی ۔

(۲۵) اس بحث کا خلاصہ یہ ہے :

---

[۱] ہدایہ ص ۳۲۹

۱۔ عام حالات میں غیر واضح الفاظ (الفاظِ کنایہ) کے استعمال میں نیّت کا پایا جانا ضروری ہے۔ اس کے بغیر طلاق نہیں پڑتی۔

۲۔ غصّے کی حالت میں اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے سے طلاق پڑ جاتی ہے۔ اور اس صورت میں نیّت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔

۳۔ طلاق کی بات چیت کے وقت بھی اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے کی صورت بلا نیّت طلاق پڑ جاتی ہے۔[۱]

(۳۶) غیر واضح الفاظ (کنایات) کی بعض قسمیں یہ ہیں:

۱۔ تو بائن ہے۔	۲۔ تیری رسی تیرے کاندھے پر ہے یعنی تو خود مختار ہے۔
۳۔ تو حرام ہے۔	۴۔ تو اپنے میکے چلی جا۔
۵۔ تو نکاح سے خالی ہے۔	۶۔ تو نکاح سے بری ہے۔
۷۔ میں نے تجھے چھوڑ دیا۔	۸۔ میں نے تجھے تیرے گھر والوں کو ہبہ کر دیا۔
۹۔ میں تجھ سے جدا ہو گیا۔	۱۰۔ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔
۱۱۔ تو آزاد ہے۔	۱۲۔ تو نکل جا، تو چلی جا۔
۱۳۔ تو اٹھ جا۔	۱۴۔ تو شوہروں کو ڈھونڈھ لے۔

(۳۷) ان تمام صورتوں میں ایک طلاق بائن (جدا ہونے والی) پڑے گی۔ اور ان الفاظ میں اگر تین کی نیّت کرے تو تین پڑ جائیں گی[۲] (مطلب یہ کہ ایک طلاق بائن پڑنے کی صورت میں عورت بائنہ صغریٰ بن جائے گی۔ اور جب اس پر تین طلاق بائن پڑ جائیں تو وہ بائنہ کبریٰ ہو جائے گی۔ اس کی مزید وضاحت اگلے دو مسئلوں سے ہو گی)۔

(۳۸) مسئلہ: جب کسی عورت پر ایک یا دو طلاق بائن پڑ جائیں تو فوری طور پر نکاح

---

[۱] ماخوذ از درمختار ۲/۵۰۱۔۵۰۲، ہدایہ ۳۵۳، بدائع ۳/۱۰۶۔۱۰۷

[۲] ہدایہ اولین، ص ۳۵۳

ٹوٹ جاتا ہے۔ (بخلاف طلاق رجعی کے جس میں نکاح فوری طور پر نہیں ٹوٹتا بلکہ وہ عدت پوری ہونے تک باقی رہتا ہے)۔ نتیجہ یہ کہ اس قسم کی طلاق میں مرد کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا اختیار نہیں رہتا اور وہ نیا نکاح کئے بغیر مطلقہ عورت سے ہم بستری کرسکتا ہے[19] اور یہ نیا نکاح عدت کے اندر بھی ہوسکتا ہے اور عدت کے بعد بھی۔

(۳۹) مسئلہ: جب کسی عورت پر تین طلاق بائن پڑ جائیں خواہ وہ بیک وقت ہوں یا متفرق طور پر، تو وہ (بائنہ کبریٰ ہونے کی وجہ سے) نکاح ثانی ہونے تک (یعنی حلالہ ہونے تک) حرام رہتی ہے[20]

(۴۰) نوٹ: تین طلاق خواہ صریح طور پر واقع ہوں یا بائن ہونے کی حیثیت سے دونوں صورتوں میں حکم یکساں ہی ہے کہ جب تین کا عدد پورا ہو جائے تو اس صورت میں عورت حرام ہو جاتی ہے۔ اور بغیر حلالہ ہونے تک وہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔

(۴۱) مسئلہ: جب میاں بیوی کے درمیان طلاق کی بات ہو رہی تھی اور اسی صورت میں شوہر نے اس قسم کے الفاظ ادا کئے، مگر وہ بعد میں کہتا ہے کہ میری نیت طلاق کی نہیں تھی۔ تو قاضی اس کی بات کا اعتبار نہیں کرے گا بلکہ وہ طلاق کا فیصلہ کردے گا۔ ہاں البتہ وہ عند اللہ مطلقہ نہیں ہوگی۔ مگر قاضی ظاہر کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ کیونکہ نیتوں کا حال صرف اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے[21]

(۴۲) مسئلہ: اگر کسی نے اپنی بیوی سے یوں کہا: "تو مجھ پر حرام ہے" تو اس صورت میں عُرف (رواج) کو دیکھا جائے گا، چنانچہ لوگوں کی عادت اس سے طلاق بائن دینے کی ہو گئی ہو تو پھر طلاق بائن ہو جائے گی۔ اور اگر طلاق رجعی دینے کی ہو تو طلاق رجعی ہوگی۔ اور اس میں نیت کو نہیں دیکھا جائے گا۔ کیونکہ یہ کوئی پوشیدہ بات نہیں بلکہ بالکل واضح بات ہے۔ لیکن اگر عُرف و رواج میں اس سے کنایہ مراد لیا جاتا ہو تو پھر اس صورت میں نیت ضروری ہوگی۔ لیکن ایسے ہی چونکہ طلاق بائن اور طلاق رجعی میں کوئی فرق نہیں

---

[19] ماخوذ از بدائع الصنائع ۳/۱۸۷

[20] ایضاً

[21] ماخوذ از ہدایہ اولین ص ۳۵۴، بدائع الصنائع ۳/۱۰۱۔۱۰۵

کرتا اس لئے اُس کے حق میں طلاق بائن ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا۔[۲۱]

خلع کا بیان

(۴۳) خلع کے لفظی معنی اتارنے کے ہیں۔ جیسے کپڑے اتارنا، جوتا اتارنا۔ اور فقہاء کی اصطلاح میں اس سے مراد ملکیتِ نکاح کو ختم کرنا ہے[۲۲] یعنی اس سے وہ طلاق مراد ہے جو عورت کے مطالبہ پر کچھ مال کے عوض (یا بغیر عوض کے) دی جائے۔ میاں بیوی کے درمیان اس قسم کی جدائی کا نام اصطلاح میں اگرچہ خلع ہے مگر وہ اصلاً طلاق ہے۔ کیونکہ جب تک شوہر اس مطالبہ کو قبول کر کے طلاق نہ دے دے خلع نہیں ہو سکتا۔ اور خلع طلاقِ بائن شمار ہوگا کیونکہ عورت نے اس کو گویا کہ مال کے عوض میں خرید لیا ہے۔ لہٰذا خلع ہو جانے کی صورت میں مرد کو عدت کے اندر عورت سے رجوع کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔

(۴۴) (فرض) جب میاں بیوی میں جھگڑا ہو جائے اور دونوں کو خوف ہو کہ وہ اللہ کے حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو اس صورت میں (خود) عورت اگر اپنی جان چھڑانے کی غرض سے خاوند کو کچھ مال دے کر خلع حاصل کرلے تو قرآنی تصریح (فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ: ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ عورت (کچھ) معاوضہ دے کر پیچھا چھڑا لے) کے مطابق کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ خاوند جب ایسا کرے گا تو خلع کے ذریعہ ایک طلاق بائن پڑ جائے گی۔ اور (مقررہ) مال دینا لازم آئے گا۔[۲۳]

(۴۵) مسئلہ: خلع کچھ مال کے عوض بھی ہو سکتا ہے اور بغیر عوض کے بھی۔ اگر کوئی شخص بغیر عوض کے یوں کہہ دے کہ میں نے تجھے خلع دے دیا، اور اس سے طلاق کی نیت ہو تو اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی، مگر مہر ساقط نہیں ہوگا۔[۲۴] (یعنی شوہر کے ذمہ مہر مؤجل تھا تو وہ بیوی کو ادا کرنا پڑے گا۔ مہر مؤجل وہ مہر ہے جو نکاح کے موقع پر بعد میں ادا کیا جانا طے ہوا ہو، یعنی جس کی مدت مقرر ہو۔ بخلاف مہر معجل کے جو

---

[۲۱] کتاب الفقہ، ج ۴ ص ۳۳۸

[۲۲] درمختار برحاشیہ ردالمحتار ۲/۳-۱۰۲، کتاب الفقہ ۴/۲۸۷

[۲۳] ہدایہ اولین، ص ۳۸۴

[۲۴] بدائع الصنائع، ۳/۱۵۱

فوری طور پر ادا کر دینے والا ہوتا ہے، جب کہ نکاح کے وقت اس کی صراحت کی گئی ہو۔)

(۴۶) مسئلہ: اگر خلع مہر کے عوض میں طے ہو، اور مہر ابھی ادا نہیں ہوا تھا۔ (مؤجل تھا) تو اس صورت میں وہ ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر مہر بیوی کو ادا کیا جا چکا تھا (معجل تھا) تو اس صورت میں بیوی وہ مہر شوہر کو واپس کرے گی۔[۴۲]

(۴۷) مسئلہ: اگر زیادتی مرد کی جانب سے ہو تو اس صورت میں عورت کی طرف سے معاوضہ لینا مکروہ (ناجائز) ہے۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے (وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ ...... اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کو لانا چاہو اور تم ان میں سے کسی ایک کو ایک ڈھیر (مال) بھی دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس مت لو)۔ نیز چونکہ مرد نے "اول بدنی" کر کے عورت کو وحشت میں ڈال دیا ہے، لہٰذا وہ عورت کی جانب سے مال لے کر اس کی وحشت میں مزید اضافہ نہ کرے۔ پھر اگر زیادتی عورت کی جانب سے ہوئی ہو تو اس صورت میں جتنا مال (مہر) وہ دے چکا ہے اس سے زیادہ لینا مکروہ (ناجائز) ہے۔[۴۳]

رجعت کا بیان

(۴۸) رجعت کے معنی لغت میں لوٹنے کے ہیں۔ فقہا کی اصطلاح میں اس سے مراد عدت کے اندر مطلقہ عورت کی ملکیتِ نکاح کو بلا عوض باقی رکھنے کے ہیں[۴۴] یعنی مطلقہ کو نئے نکاح کے بغیر پھر سے اپنی عصمت میں لے لینا۔[۴۵]

بغیر عوض کے ملکیتِ نکاح کو باقی رکھنے کا مطلب یہ ہے چونکہ طلاقِ رجعی میں زوجیت (ملکیتِ نکاح) باقی رہتی ہے اور نکاح نہیں ٹوٹتا۔ (اور اس بنا پر نئے نکاح کی ضرورت نہیں رہتی، جس سے نیا مہر یعنی عوض لازم آتا ہے)۔ اس بنا پر رجعت کے معنی یہ ہوئے کہ نکاح کی ملکیت کو زائل ہونے سے روکا جائے۔

---

[۴۲] بدائع الصنائع، ۱۵۱/۳

[۴۳] ہدایہ اولین، ص ۳۸۴

[۴۴] ماخوذ از درمختار برحاشیہ رد المحتار، ۵۲۳/۲

[۴۵] یہ تعریف مالکی مذہب کے مطابق ہے (کتاب الفقہ، ۳۲۹/۴)

(۴۹) مسئلہ: رجعت کے لئے ضروری ہے کہ: (۱) مطلقہ عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو، تین طلاق نہ دی گئی ہو۔ (۲) طلاق کسی عوض کے بدلے میں نہ ہو یعنی وہ خلع نہ ہو۔ (۳) طلاق بطور کنایہ نہ دی گئی، جو کہ بائن ہوتی ہے۔ (۴) عورت غیر مدخولہ نہ ہو۔ (کیونکہ غیر مدخولہ عورت پر سرے سے عدت ہی نہیں ہے)۔ لہٰذا ان چاروں صورتوں میں رجعت کا حق باقی نہیں رہتا۔[۱]

(۵۰) مسئلہ: جب کوئی شخص اپنی مدخولہ بیوی کو ایک یا دو طلاق رجعی دے تو اُسے عدت کے اندر رجعت کر لینے (مطلقہ کو لوٹا لینے) کا اختیار باقی رہتا ہے، خواہ عورت رجعت کے لئے راضی ہو یا نہ ہو۔ جیسا کہ قرآنی حکم (فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ: عدت کے اندر انہیں بھلے طریقہ سے روک لو) سے ظاہر ہوتا ہے۔[۲]

(۵۱) مسئلہ: حنفی مذہب کے مطابق رجعت (رجوع کرنے) کے دو طریقے ہیں: (۱) یا تو صراحت کے ساتھ بیوی سے یوں کہا جائے کہ "میں نے تجھ سے رجعت کر لی" یا گواہوں کو مخاطب کر کے کہے کہ "میں نے اپنی بیوی کو لوٹا لیا" یا "میں نے اپنی بیوی کو دی ہوئی طلاق واپس لے لی" وغیرہ۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ رجعت کچھ بولے بغیر عورت سے ہم بستری کر لی، یا اُس کا بوسہ لے لیا، یا اُس کو شہوت کے ساتھ چھو لیا وغیرہ۔[۳]

(۵۲) مسئلہ: رجعت کے وقت دو گواہوں کو مقرر کر لینا مستحب ہے اور اگر ایسا نہ بھی کیے تب بھی رجعت صحیح ہے۔[۴]

(۵۳) مسئلہ: عدت گزر جانے کے بعد اگر مرد عورت سے یوں کہے کہ میں نے عدت کے اندر تجھ سے رجوع کر لیا تھا اور عورت بھی اس کی تصدیق کرے تب تو بات صحیح ہوگی۔ ورنہ اگر عورت انکار کر دے تو پھر عورت کا قول معتبر ہوگا۔[۵]

---

[۱] کتاب الفقہ، ۴/۳۴۲

[۲] ہدایہ (اولین)، ص ۳۸۴

[۳] ایضاً، ص ۳۸۵

[۴] ایضاً

[۵] ایضاً

(۵۴) **مسئلہ** : جب شوہر عورت سے یوں کہتا ہے کہ میں نے تجھ سے رجعت کرلی (یعنی اپنی طلاق واپس لے لی) تو اس کے جواب میں بیوی اگر یہ کہے کہ میری عدت پوری ہوچکی ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس سے رجعت صحیح نہیں ہوگی[۹۴] ہاں اگر عورت کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد یہ کہے کہ میری عدت پوری ہوچکی ہے تو اس صورت میں عورت کی بات کا اعتبار نہ ہوگا (اور رجعت صحیح ہوگی)۔[۹۵]

(۵۵) **مسئلہ** : جب عورت کو تیسرے حیض میں دس دن پر خون آنا بند ہوجائے تو اس صورت میں رجعت کا حق باقی نہیں رہتا، اگرچہ عورت نے ابھی غسل نہ کیا ہو (کیونکہ اس صورت میں عدت پوری طرح ختم ہوچکی ہے)۔ ورنہ خون آنا اگر دس دن سے پہلے بند ہوا ہو تو اس صورت میں رجعت ابھی باقی سمجھی جائے گی، جب تک کہ وہ غسل نہ کرلے یا اس پر ایک نماز کا کامل وقت نہ گزر جائے۔ کیونکہ حیض (عموماً) دس دن سے زیادہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب یہ مدت پوری ہوجائے تو عورت کے حیض سے باہر نکلتے ہی عدت ختم ہوجاتی ہے۔ اور یہ مدت دس دن سے کم ہونے کی صورت میں خون پھر سے آنے کا احتمال رہتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں ضروری ہے کہ خون کے منقطع ہونے کا یقین کرلیا جائے۔[۹۶]

(۵۶) **مسئلہ** : اگر طلاق بائن ہو مگر تین سے کم ہو تو اس صورت میں مرد اسی عورت سے (جوکہ بائنہ صغریٰ ہے) عدت کے اندر یا عدت گزر جانے کے بعد بھی دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔ اور اگر تین طلاق ہوچکی ہے (خواہ وہ یک لفظ ہوں، متفرق طور پر) تو اس صورت میں وہ عورت (جوکہ بائنہ کبریٰ ہوچکی ہے) اس کے لئے اس وقت تک حرام ہوجاتی ہے جب تک کہ وہ دوسرے شخص سے نکاح صحیح کرکے صحبت نہ کرلے۔ اور پھر وہ دوسرا شوہر بھی اسے یا تو (از خود) طلاق دے دے یا مر جائے۔ اور اس مسئلے میں اصل دلیل قرآن کی یہ آیت ہے : فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ[۹۷] اگر وہ

---

[۹۴] ہدایہ (اولین)، ص ۳۷۵، بدائع الصنائع ۳/۱۸۵

[۹۵] بدائع الصنائع، ۳/۱۸۶

[۹۶] ہدایہ اولین ص ۳۷۹، بدائع الصنائع ۳/۱۸۲

[۹۷] ہدایہ، ص ۳۷۹

(تیسری) طلاق دے دے تو اس کے بعد عورت اُس کے لئے حلال نہیں رہتی جب تک کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح (اور ہمبستری) نہ کر لے۔ (بقرہ : ۲۳۰)

(۵۰) مسئلہ : جب کوئی عورت طلاق حاصل کرنے کے بعد عدّت گزار کر کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لیتی ہے، پھر وہ کسی طرح دوسرے شوہر سے بھی طلاق حاصل کر کے یا اُس کی موت کے بعد عدّت گزار کر، دوبارہ پہلے شوہر کے نکاح میں آجاتی ہے تو اس صورت میں پہلا شوہر پھر سے تین طلاقوں کا مالک بن جاتا ہے، خواہ اس نے اس سے پہلے (اُس عورت کو) تین طلاقیں دی ہوں یا اس سے کم [۲۲]

عدّت کا بیان

(۵۱) : عدّت کے لغوی معنی گنتی کے ہیں، اور شریعت کی اصطلاح میں اس سے مراد عورت کا ایک مقررہ مدّت تک انتظار کرنا ہے، جو شوہر کی جانب سے نکاح ختم ہونے کے بعد (رحم کی صفائی کے لئے) اس پر لازم ہوتا ہے [۲۳] اور مختصر طور پر اس کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ "نکاح کے بچے کچھے آثار ختم ہونے کی مدّت کا نام عدت ہے" [۲۴] چونکہ اس میں دن گنے جاتے ہیں اس لئے اس کا نام "عدّت" پڑ گیا۔ اور عورت پر یہ عدت تین صورتوں میں واجب ہوتی ہے، جس کی تفصیل اس طرح ہے :

۱۔ وہ مُطلقہ عورت جس سے صحبت کی جا چکی ہو (خواہ وہ رجعیہ ہو یا بائنہ)۔

۲۔ وہ مُطلقہ عورت جس سے صحبت تو نہیں ہوئی تھی مگر نکاح کے بعد عورت اور مرد کے درمیان "خلوتِ صحیحہ" واقع ہو گئی تھی۔ یعنی دونوں تنہائی میں مل بیٹھے تھے۔ (اس سے بحث نہیں ہے کہ صحبت ہوئی تھی کہ نہیں۔ بلکہ صرف میاں بیوی کی تنہائی کی ملاقات ہی سے عدّت ضروری ہو جاتی ہے اور یہ بات بطورِ احتیاط کے ہے، تاکہ بعد میں نسب کے غلط ملط ہونے کا کوئی شبہ ہی باقی نہ رہے۔)

۳۔ وہ عورت جو بیوہ ہو گئی ہو۔ یعنی جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو اُس پر بھی عدّت ضروری

---

[۲۲] ہدایہ، ص ۳۸۰۔

[۲۳] کتاب الفقہ، ۴/۵۱۳

[۲۴] بدائع الصنائع، ۳/۱۹۰

ہے۔ کہ مطلقہ کی عدت اور بیوہ کی عدت میں فرق ہے۔ لہٰذا ان دونوں کے مسائل بھی الگ الگ ہیں۔

(۵۹) مسئلہ: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق بائن یا طلاق رجعی دے دے اور وہ حیض والی ہو تو از روئے قرآن اس کی عدت تین حیض ہے۔ (وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ) [1] اور طلاق دی ہوئی عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو روکے رکھیں — بقرہ: ۲۲۸)

(۶۰) مسئلہ: نابالغ لڑکی یا عمر رسیدہ عورت جس کو حیض نہ آتا ہو اس کی عدت از روئے قرآن تین ماہ ہے: (وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ) [2] اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے ناامید ہو چکی ہیں ان کے بارے میں اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے — طلاق ۴)

(۶۱) مسئلہ: بیوہ عورت کی عدت از روئے قرآن چار ماہ دس دن ہے: (وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا) [3] اور تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور (اپنے پیچھے) بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن تک روکے رکھیں گی — بقرہ: ۲۳۴)

(۶۲) مسئلہ: لیکن بیوہ اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت (بجائے چار ماہ دس دن کے) وضع حمل ہے ....

جیسا کہ ارشاد باری ہے: (وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ) [4] اور حمل والی عورتوں کی عدت ان کا وضع حمل ہے — طلاق: ۴)

(۶۳) مسئلہ: مطلقہ عورت اگر آئسہ ہو (یعنی جس کو حیض نہ آتا ہو) اس نے اگر مہینوں کی گنتی کے اعتبار سے عدت شروع کی مگر بعد میں اسے خون آنے لگا، تو اب اس کی گزری ہوئی عدت فاسد ہو گئی۔ اب اسے حیض کے اعتبار سے نئی عدت گزارنی ہوگی۔ [5]

---

[1] ہدایہ (اولین) ص ۴۰۲-۴۰۳، بدائع الصنائع ۳/۱۹۲
[2] و [3] و [4] ایضاً ص ۴۰۳، بدائع صنائع ۳/۱۹۵-۱۹۶
[5] ایضاً ص ۴۰۳، بدائع صنائع ۳/۲۰۰

چاہئے کیونکہ آج کل مسلمان طلاق کے باب میں سخت بے اعتدالی اور خدا کی کھلی ہوئی نافرمانی میں مبتلا ہیں ۔ اول تو یک وقت تین طلاق دینا ہی سخت گناہ کا کام ہے اور پھر اس کے بعد دوسرا بدترین گناہ اور شرعی جرم یہ ہے کہ ایسے لوگ مطلقہ عورتوں کو طلاق کے فوراً بعد کان پکڑ کر گھر سے باہر نکال دیتے ہیں ۔ یہ ایک انتہائی ناپسند حرکت اور سنگین جرم ہے جس کا تدارک ہونا چاہئے ۔

۲۰ ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ

طلاق اور عدت کے مسائل
قرآن مجید کی روشنی میں

قرآنی احکام میں اجمال اور اس کی حکمت

یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن مجید ایک حد درجہ مختصر اور جامع کتاب ہے، جس میں تمدن و معاشرت کے سارے اُصول و احکام مذکور نہیں ہیں۔ بلکہ اس میں چند ضروری اور بنیادی نکات کا بیان موجود ہے، جو شریعت و قانون کے اساسی تصورات اور ربانی حکمت و فلسفے کی تشریح و تعبیر کرتے ہیں۔ اور اس اعتبار سے قرآنی دفعات CLAUSES کی حیثیت ایک دستور اساسی کی سی ہے، جس کی تشریح و تفصیل حدیث رسولؐ میں کی گئی ہے۔ اور ان احکام و مسائل کی مزید تنقیح و توضیح فقہائے اسلام نے شریعت کے تفصیلی دلائل کے ساتھ باب وار بیان کی ہے۔ اور اس طریقۂ کار میں بہت بڑی حکمت و دانش مندی کا مظاہرہ دکھائی دیتا ہے، جس کی وجہ سے اسلامی فقہ و قانون ISLAMIC LAW دنیا کے تمام قوانین و شرائع میں ممتاز نظر آتا ہے۔ کیونکہ عقلی و استدلالی حیثیت سے اس میں جس دقت نظر اور دقیقہ رسی کا ثبوت دیا گیا ہے وہ انسانی عقل کو ہر دور میں صیقل کرنے والی اور اس کی دانش مندی کو مہمیز لگانے والی ہے۔ اور اس سے زیادہ کا تصور حد بشریت سے باہر ہے۔

غرض قرآن حکیم میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ابدی آیات میں طلاق، خلع اور عدت کے سلسلے میں بعض بنیادی مسائل کی توضیح بطور مثال مذکور ہے، جن میں حد درجہ ابہام ہے۔ (اور یہی حال دیگر تمام احکام و مسائل کا بھی ہے)۔ اور یہ تشریعی (قانونی) اُمور کی اکثر و بیشتر خصوصیت ہے۔ اور اس ابہام و اجمال میں حکمت یہ ہے کہ رسولؐ اپنے قول و عمل کے ذریعہ ان کی تفسیر کرے۔ اس اعتبار سے قرآن کی حیثیت ایک دستوری متن کی سی ہے اور سنت رسولؐ کی حیثیت اس کی شرح و تفسیر کی سی۔ اور یہ دونوں چیزیں دین میں اساسی حیثیت رکھتی ہیں، جن کی تعمیل ہر دور والوں کے لئے فرض و واجب ہے۔

نیز قرآنی احکام میں اصولی وجہ اجمال و ایجاز کی ایک بہت بڑی حکمت و مصلحت یہ بھی ہے کہ وہ قیامت تک ہر دور کی قانون سازی کے لئے صحیح بنیاد کی حیثیت رکھنے والے ہوں اور ان کا اساسی مغز کسی بھی دور میں بے معنی نہ ہو جائے۔ خواہ زمانہ قانونی و فقہی اعتبار سے کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرلے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ آیات و احکام اجمالی لچکدار انداز رکھتی ہیں اور ان سے ہر دور کے تقاضے کے مطابق نئے نئے مسئلوں کا استنباط کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ چیز قرآن مجید کی ابدیت اور اس کے من جانب اللہ ہونے کی دلیل ناطق ہے، جو کسی انسانی کلام میں ہرگز نہیں پائی جا سکتی۔ اور یہ امتیازی خصوصیت آج دنیا کے موجودہ مذہبی صحیفوں میں سوائے قرآن مجید کے اور کسی میں نہیں پائی جاتی۔ اور اس اعتبار سے قرآن مجید دنیا کا سب سے زیادہ انوکھا اور منفرد ترین صحیفہ ہے۔

قرآن سے جزئی مسائل کا استنباط

اس وقت طلاق اور عدت کے احکام و مسائل سے متعلق جو قرآنی آیات ذیل میں بحث کی جا رہی ہیں ان کے مطالعہ سے دو واضح حقیقتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ پہلی حقیقت یہ کہ ان آیات میں اجمال ہونے کے باوجود حیرت انگیز طور پر جامعیت نظر آتی ہے۔ یعنی طلاق اور عدت سے متعلق کوئی بھی اہم قانونی نکتہ قرآن کی نظر سے اوجھل ہونے نہیں پایا ہے جو یقیناً خدائی علم و حکمت کا مظہر ہے۔ مگر ان مختصر آیات کے ذریعہ اس باب کا ایک پورا نقشہ وضع ہو کر متعدد قانونی نکتوں کے روپ میں سامنے آ جاتا ہے جو اساسی اور بنیادی نوعیت کے ہیں۔ اور ان کی حیثیت قوت کی سی ہے، جن کو پیش نظر رکھتے ہوئے بے شمار جزئیات کا استنباط کیا جا سکتا ہے۔ اور ان کی تفصیل میں دفتروں کے دفتر سیاہ کئے جا سکتے ہیں۔ اور اس کی ایک واضح مثال ایک اندلسی عالم ابو عبد اللہ محمد انصاری قرطبی (متوفی ۶۷۱ھ) کی لکھی ہوئی تفسیر ہے، جو امام قرطبی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" بیس جلدوں میں ہے جو احکام قرآن کے بارے میں بہت مشہور و مقبول ہے۔ اور یہ زیادہ تر "تفسیر قرطبی" کے نام سے جانی جاتی ہے، جو فقہائے مفسرین کے اقوال، فقہی مکاتب فکر، ان کے طرز استنباط اور ان کے دلائل کو سمجھنے کے بارے میں ایک مستند اور بے نظیر چیز ہے۔ چنانچہ زیر نظر کتاب میں قرآنی آیات کی تشریح و تفسیر میں زیادہ تر استفادہ اسی سے کیا گیا ہے۔ اسی طرح احکام قرآن کے باب میں امام رازی کی تحریر کردہ تفسیر کبیر میں بھی مختلف فقہی مسلکوں اور ان کے دلائل کی تفصیلات بکھرے ہوئے انداز میں مذکور ہیں۔ زیر نظر بحث میں

ان دونوں تفسیروں سے خصوصی استفادہ کیا گیا ہے اور ان کے حوالے دئے گئے ہیں۔ جس طرح کہ دیگر تفسیروں سے بھی استفادہ کرتے ہوئے ان کے حوالے دئے گئے ہیں۔

اسلام عورت کو احترام کی نظر سے دیکھتا ہے

اور ان احکام و مسائل کے ملاحظے سے دوسری سب سے بڑی حقیقت جو واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں عورت کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ چنانچہ دنیا کے دیگر مذاہب کے غیر منصفانہ رویہ کے برعکس وہ اس کمزور اور مظلوم ہستی کی قدم قدم پر دستگیری اور دلجوئی کرتا ہے۔ اور اس کے سماجی درجے کو بلند کرتے ہوئے نہایت واضح طور پر وہ تمام انسانی حقوق عطا کرتا ہے جن کو دیگر مذاہب نے پوری طرح نظر انداز کر دیا ہے۔ اسلام نے اگرچہ مرد کی برتری کو فطری اعتبار سے ضرور تسلیم کیا ہے۔ مگر وہ اس کے باوجود عورت کے احترام، وقار اور اس کی عزت نفس میں کسی قسم کی کمی ہونے نہیں دیتا بلکہ جہاں جہاں بھی اس کے حقوق پامال ہونے کا خطرہ ہو وہاں پر وہ پوری فراخ دلی کے ساتھ عورت کے حقوق کی رعایت کرتا ہے۔

چنانچہ طلاق اور عدت ہی کے مسائل میں دیکھ لیجئے کہ طلاق کا حق عقلی و فطری اعتبار سے صرف مرد کو دینے کے باوجود عورت پر کسی قسم کے ظلم و زیادتی کو روا نہیں رکھا۔ بلکہ خود اسے بھی خلع حاصل کرنے کا حق دیا ہے جب کہ مرد کی طرف سے ظلم و زیادتی ہو رہی ہو۔ نیز اس کے علاوہ عورت کو اور بھی بہت سی رعایتیں دی ہیں اور مردوں کو تاکید کی ہے کہ وہ مطلقہ عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک و مراعات کا مظاہرہ کریں اور ان پر کسی قسم کی زیادتی نہ کریں۔ بہر حال اسلام مردوں کو عورتوں کے ساتھ نرمی اور مروت کا برتاؤ کرنے کی تاکید کرتا ہے اور انہیں دھتکارنے یا ان کے ساتھ سختی کرنے سے منع کرتا ہے

طلاق کی وجہ سے جب میاں بیوی کے تعلقات انتہائی کشیدہ ہو چکے ہوں تو ایسے موقعوں پر اسلام نے عورتوں کے ساتھ کوئی تعرض نہیں کیا بلکہ مردوں ہی کو حسن اخلاق اور شرافت کے ساتھ پیش آنے پر ابھارا ہے۔ اور قرآن میں جگہ جگہ خطاب بھی اس سلسلے میں مردوں ہی سے کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت اپنی فطری و جسمانی کمزوری کی بنا پر بہر حال ہی قابل معافی ہے۔ وہ دھتکارے جانے کے لئے نہیں بلکہ پیار و

محبت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اگرچہ قصور عورت ہی کی طرف سے ہو تب بھی وہ رعایت کی مستحق ہے۔ کیونکہ وہ انسانی تمدن و معاشرت کا مرکز و محور ہے۔ مرد کا سکونِ قلب اُسی کی بدولت اور بقائے انسانی کی زینت اُسی کے دم سے ہے۔ لہٰذا وہ ہر حال میں قابلِ معافی اور رعایتوں کی مستحق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام طلاق اور عدت کے مواقع پر جگہ جگہ اس کمزور جنس کو رعایتیں دیتا نظر آتا ہے۔ اور اس پر کسی قسم کے ادنیٰ سے ادنیٰ ظلم یا زیادتی کو روا نہیں رکھتا۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ قرآن مجید کی ان تاکیدوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی عورتوں کا پورا پورا احترام کریں اور ان کے ساتھ کسی بھی قسم کی زیادتی نہ کریں، اگرچہ موقع طلاق ہی کا کیوں نہ ہو۔ بلکہ ایسے موقعوں پر انہیں شرافت و تقویٰ کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے۔ کیونکہ یہ حسنِ کرداری اور حسنِ اخلاق کے امتحان کا موقع ہے۔ بلکہ زیادہ مناسب تو یہ ہے کہ ایسے موقعوں پر بھی مردوں کو فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عورتوں کو کچھ دے دلا کر اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کرنا چاہئے۔

۱۔ طلاق اور خلع کے احکام و مسائل

اس تمہید کے بعد اب طلاق و خلع اور عدت کے بارے میں قرآن مجید میں جو احکام و مسائل مذکور ہیں ان کی مستند کتب تفاسیر کی روشنی میں مختصر شرح و تفسیر کی جاتی ہے۔ اور اس سلسلے میں قرآن مجید کے چھ (۶) مقامات کا انتخاب کیا گیا ہے، جن کو نمبروار بیان کیا جاتا ہے۔ اور اس سلسلے میں ہر مسئلے کو ایک الگ عنوان دیا گیا ہے، تاکہ یہ مسائل اچھی طرح عوام کے ذہن نشین ہو جائیں۔

(۱) اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ۖ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَأْخُذُوْا مِمَّا آتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَّخَافَا اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۗ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۲۲۹) فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يَّتَرَاجَعَا اِنْ ظَنَّا اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ

يَعْلَمُوْنَ (٢٣٠) وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۡ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (٢٣١) وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ أَنْ يَّنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (٢٣٢)

(بقرہ : ٢٢٩-٢٣٢)

ترجمہ : طلاق دو بار ہے۔ پھر یا تو سیدھی طرح (مطلقہ عورت کو) روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے۔ اور رخصت کرتے ہوئے یہ بات کرنا تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ البتہ یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ زوجین کو اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکنے کا اندیشہ ہو۔ ایسی صورت میں اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود پر قائم نہ رہیں گے تو ان دونوں کے درمیان اس طرح معاملہ ہو جانے میں کچھ مضائقہ نہیں کہ عورت شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علیحدگی (خلع) حاصل کر لے۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کریں گے تو وہ ظالم ہوں گے۔ (٢٢٩) پھر اگر (دو بار طلاق دینے کے بعد شوہر نے بیوی کو تیسری بار) طلاق دے دی تو پھر وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے نہ ہو جائے۔ پھر وہ (دوسرا شخص) اس عورت کو طلاق دے دے تب اگر پہلا شوہر اور یہ عورت دونوں یہ خیال کریں کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم رکھیں گے تو ان کے لئے پھر سے رجوع کر لینے (دوبارہ نکاح کر لینے) میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں جنہیں وہ جاننے والوں کے لئے واضح کرتا ہے۔ (٢٣٠) اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور ان کی عدت پوری ہونے کو آ جائے تو اس صورت میں یا تو بھلے طریقے سے انہیں روک لو یا بھلے طریقے سے انہیں رخصت کر دو۔ محض ستانے کی غرض سے انہیں روکے نہ رکھو۔ اور جو کوئی

ایسا کرے گا تو وہ درحقیقت اپنے آپ ہی پر ظلم کرے گا۔ اللہ کی آیات و احکام کو کھیل نہ بناؤ۔ بھول نہ جاؤ کہ اللہ نے تمہیں کس (عظیم) نعمت سے تمہیں سرفراز کیا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ جو کتاب اور حکمت اس نے تم پر اتاری ہے اس کا احترام ملحوظ رکھو۔ اللہ سے ڈرو اور خوب جان لو کہ اللہ کو (اپنے بندوں کے متعلق) ہر بات کی خبر ہے۔ (۲۳۱) جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو پھر ان کے درمیان رکاوٹ نہ ڈالو کہ وہ اپنے (زیر تجویز) شوہروں سے نکاح کر لیں جب کہ وہ معروف طریقے سے باہم مناکحت پر راضی ہوں۔ تمہیں نصیحت کی جاتی ہے کہ ایسی حرکت نہ کرو، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ تمہارے لئے شائستہ اور پاکیزہ طریقہ یہی ہے کہ اس سے باز رہو۔ اللہ (ان باتوں کی مصلحتوں کو خوب) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (کیونکہ تمہارا علم محدود ہے) (۲۳۲)

شرعی احکام و مسائل

ان آیات کریمہ میں اصلاح معاشرہ کے لئے چند بہترین احکام دیئے گئے ہیں اور طلاق کی حالت میں بھی مرد اور عورت دونوں کے حقوق کی نگہداشت کی گئی ہے۔ خاص کر عورت کے حقوق کا کچھ زیادہ ہی خیال رکھا ہے۔ چنانچہ طلاق کے واقعہ سے گو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ گویا مرد کا یک طرفہ اقدام ہے۔ مگر اس حالت میں بھی اسلام نے عورت کی فطری صنف کا لحاظ رکھتے ہوئے جس طرح قدم قدم پر اس کے حقوق کی نگہداشت کی ہے اور مختلف حیثیتوں سے مرد پر یہ شرط عائد کرتے ہوئے عورت کے ساتھ نرمی و ملاطفت کا رویہ اختیار کرنے کی تاکید کی ہے اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ ان آیات میں مردوں سے خطاب کرتے ہوئے انہیں بار بار تاکید کی گئی ہے کہ وہ عورتوں پر ظلم و زیادتی نہ کریں۔ اور اللہ کی حدود کو توڑ کر ایک دوسرے کے حقوق کو پامال نہ کریں اور احکام الٰہی کو مذاق نہ بنائیں۔ بلکہ خدا اور یوم آخرت کا خوف کرتے ہوئے ان احکام پر پوری ایمانداری کے ساتھ عمل کریں۔ یہ آیات قانون اور وعظ و نصیحت دونوں کے امتزاج کا بڑا حسین نمونہ ہیں۔

غرض اسلام نے عورت کو جتنے حقوق دئے ہیں اور قدم قدم پر جس طرح اس کے ساتھ رعایت کی ہے اس سے زیادہ کا تصور بھی دیگر مذاہب میں نہیں تھا۔ اسلام نے اگر مردوں کو طلاق کا حق دیا ہے تو

عورت کو بھی خلع حاصل کرنے کا حق دیا ہے کہ اگر مردوں کی طرف سے ظلم و زیادتی ہو رہی ہو تو عدالت یا شرعی پنچایت وغیرہ سے رجوع کر کے وہ "خلع" کے ذریعہ قانونی طور پر جابرانہ نکاح کو فسخ کرا سکتی ہے جس کا اجمالی تذکرہ ان آیات میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ اسلام نے عورت کو اور بھی بہت سی رعایتیں دی ہیں اور بہت سی خرابیوں کا سدباب کیا ہے۔ بہرحال ان آیات سے مستنبط ہونے والے چند اہم احکام و مسائل کی تشریح ذیل میں کی جاتی ہے۔

١۔ رجعت کا حق صرف دو تک ہے

زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو جتنی مرتبہ چاہتا طلاق دیتا اور جب چاہتا اس کو اپنے نکاح میں لوٹا لیتا۔ اس ظلم کی وجہ سے عورتوں کی زندگی دوبھر ہو گئی تھی جسے اسلام نے اس ظلم کو مٹانے کے لئے مرد کو صرف دو طلاقوں کا حق دیا ہے جس کے بعد وہ اپنی مطلقہ عورت کو دوبارہ نکاح کئے بغیر لوٹا سکتا ہے۔ ہاں اگر وہ تیسری طلاق دے دے گا تو عورت اس سے مستقل طور پر جدا ہو جائے گی۔

چنانچہ اس آیت کا سبب نزول مشہور قول کے مطابق یہی ہے کہ یہ طلاق رجعی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں مذکور ہے کہ دور رسالت میں ایک شخص نے اپنی بیوی سے یوں کہا کہ میں نہ تو تجھے اپنی گھر والی بنا کے رکھوں گا اور نہ تجھے پوری طرح آزاد ہی کروں گا جس کے باعث تو دوسرا نکاح کر سکے۔ اس پر بیوی نے پوچھا وہ کیسے؟ تو اس نے کہا کہ میں تجھے طلاق دوں گا مگر جب تیری عدت پوری ہونے کو آئے تو تجھے لوٹا لوں گا۔ اور عمر بھر تیرے ساتھ یہی طریقہ اختیار کرتا رہوں گا، جس کی وجہ سے تو معلق ہو کر رہ جائے گی۔ تب اس عورت نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس کی شکایت کی۔ اور حضرت عائشہ نے اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ طلاق دینے کے بعد رجوع کرنے کا حق صرف دو بار تک ہے۔ اور زمانہ جاہلیت میں جو طریقہ رائج تھا وہ منسوخ ہے۔[2]

نیز حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اس آیت کریمہ میں "احسان"

[1] دیکھئے تفسیر قرطبی از ترجمات محمد اسماعیل قریشی ٣/١٠٢

[2] ایضاً، نیز تفسیر ابن کثیر ١/٢٧١، تفسیر ابن جریر طبری ٢/٢٧٣، تفسیر کبیر ٦/٩٩، اور تفسیر ابن جریر ٢/٢٧٦

طلاق کا سنت طریقہ بتایا گیا ہے۔ یعنی جو شخص اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے چکا ہو وہ تیسری طلاق سے باز آ جائے۔ امام قرطبی ان دونوں اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان دونوں معنوں کی حامل ہو سکتی ہے۔[3]

طلاق سنت یہ ہے کہ ہر طہر میں ایک ایک طلاق دی جائے۔[4] یعنی یہ طلاق متفرق ہو، یکبارگی نہ ہو۔ اور یہ تفسیر اس قول کے مطابق ہے کہ ایک وقت تین طلاق دینا حرام ہے۔[5]

۲۔ اثبات رجعت میں حکمت الٰہی

امام رازی تحریر کرتے ہیں کہ اثبات رجعت میں حکمت یہ ہے کہ انسان جب تک اپنی شریک حیات کے ساتھ رہتا ہے اُسے اس بات کا احساس نہیں رہتا کہ آیا اپنی شریک حیات کی جدائی میں پریشان گزر سکتی ہے یا نہیں؟ لیکن جب وہ اس سے جدا ہو جاتی ہے تب اُسے اس کا صحیح احساس ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر خدا تعالیٰ صرف ایک ہی طلاق کو ناقابل رجوع قرار دے دیتا تو انسان کے لئے یہ مشقت بہت سخت ہو جاتی۔ کیونکہ بیوی کی جدائی کے بعد ہی اُس کی محبت ظاہر ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے چونکہ یہ تجربہ ایک طلاق سے پورا نہیں ہوتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے جدائی کے بعد مراجعت کا حق دو طلاقوں تک باقی رکھا ہے۔ کیونکہ دو دفعہ انسان کو اس جدائی کا اچھی طرح تجربہ ہو جاتا ہے اور وہ اس سلسلے میں اپنے دل کا حال معلوم کر سکتا ہے۔ پھر اگر اُسے عورت کو روک لینا اور طلاق سے رجوع کر لینا ہی بہتر معلوم ہو تو وہ (دو طلاقوں کے بعد) معروف طریقے سے اُسے روک لے گا۔ ورنہ دوسری صورت میں اگر اسے چھوڑ دینا ہی مناسب نظر آئے تو وہ بہتر طریقے سے اُسے چھوڑ دے گا۔ تو اس طرح درجہ بدرجہ اقدام اور ترتیب کا رعایت بندے پر اللہ تعالیٰ کی کامل درجے کی رحمت و مہربانی پر دلالت کرتی ہے۔[6]

---

[3] تفسیر قرطبی ۱۲۶/۳

[4] تفسیر ابن جوزی، عبدالرحمان ابن جوزی، ۲۶۳/۱، مطبعہ دمشق

[5] تفسیر کبیر، از امام رازی، ۱۱/۶، طبع جدید، تہران

[6] ایضاً ۹۸/۶

یہ ہے اسلامی ضابطہ کی رُو سے ایک ایک کر کے طلاق دینے کی حکمت و مصلحت، جس کو صحیح طور پر برتنے کے بعد انسان ندامت و پشیمانی سے بچ جاتا ہے. کیونکہ اسے اس طریقے میں کامل غور و فکر کرنے اور صحیح قدم اُٹھانے کا موقع حاصل رہتا ہے. لیکن اگر وہ ایک وقت تین طلاق دے دیتا ہے تو یہ سارے فوائد یکلخت ختم ہو جاتے ہیں اور غور و فکر کا موقع ہی باقی نہیں رہ جاتا۔ اسی وجہ سے اسلامی شریعت میں ایک وقت تین طلاق دینا سخت گناہ کا باعث ہے. بعض ائمہ اسے مکروہ و ناجائز اور بعض حرام کہتے ہیں۔

غرض یہ صرف اسلامی قانون ہی کی خصوصیت ہے کہ بیوی کو طلاق دے چکنے کے بعد بھی رُجوع کرنے کا دروازہ بند نہیں ہوتا. بلکہ وہ ایسی طلاق کو واپس لے کر مطلقہ کو دوبارہ بیوی بنانے کا حق پوری طرح باقی رہتا ہے، ورنہ دنیا کے دوسرے کسی بھی مذہب اور کسی بھی قانون میں یہ خصوصیت پائی نہیں جاتی. بلکہ اس کے برعکس جب ایک بار طلاق ہو جاتی ہے تو پھر ہمیشہ کے لئے جدائی ہو جاتی ہے. اس اعتبار سے اسلامی قانون دُنیا کا انوکھا اور برتر قانون ہے، جو اس کے من جانب اللہ ہونے کی بھی ایک دلیل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ انوکھا قانون آسمانی مذاہب کی تکمیل کرنے والا اور ایک پُر از حکمت قانون ہے، جس میں نہ تو عورت کو ضرر پہنچتا ہے اور نہ ہی مرد کو حسرت زدہ ہونا پڑتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس قانون کو اچھی طرح سمجھ کر اس پر عمل کیا جائے۔

۴۔ طلاق ایک ایک کر کے دی جائے

آج کل لوگ جہالت کی بنا پر ایک ساتھ تین طلاقیں دے بیٹھتے ہیں۔ یہ بہت سخت گناہ ہے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مذمت کی ہے۔ حضرت عمرؓ تو ایسے شخص کو جو اپنی بیوی کو یکبارگی تین طلاقیں دیتا تھا دُرّے لگایا کرتے تھے[1] اور اصلاحِ معاشرہ کے لئے یہ طریقہ آج بھی مسلم ملکوں میں رائج کرنے کی ضرورت ہے کہ ایک وقت تین طلاق دینے والوں کی خبر دُرّوں سے لی جائے۔ ورنہ یہ مذموم طریقہ ختم نہیں ہو سکتا۔

طلاق دینے کا صحیح شرعی طریقہ یہ ہے کہ یا تو عورت کو طہر کی حالت میں صحبت کئے بغیر صرف ایک

---

[1] سنن سعید بن منصور ۳۸۰/۲، مصنف عبد الرزاق ۳۴۴/۶، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲/۵

طلاق دے کر چھوڑ دی جائے (جسے طلاقِ احسن کہتے ہیں) یا تین مہینوں میں تین طلاق ایک ایک کرکے دی جائے (جسے طلاقِ حسن کہا جاتا ہے)۔ یعنی ہر مہینہ ایک طلاق ایسی حالت میں دی جائے جب کہ عورت کی ماہواری کے دن نہ ہوں اور اس دوران اُس نے بیوی سے صحبت نہ کی ہو۔ اس طریقے پر مرد جب دو طلاقیں دے چکا ہو تو اس کو تیسری طلاق دینے سے پہلے عورت کو لوٹا لینے کا حق باقی رہتا ہے۔ اس کا تذکرہ پہلی آیت میں "طلاق دو بار ہے" کے الفاظ کے ذریعہ کیا گیا ہے۔ (۲۲۹)

غرض یہ آیتِ کریمہ ان دونوں قسم کی طلاقوں کی حامل بن سکتی ہے۔ کیوں کہ ان دونوں میں قرآنی الفاظ "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" (طلاق دو بار ہے) کے مطابق الگ الگ طور پر طلاق دینے کا ضابطہ پورا ہو جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر "طلاق دو بار ہے" کہنے کا تقاضا ہے کہ یہ دونوں طلاقیں الگ الگ ہوں، یکبارگی نہ ہوں۔ ورنہ گناہ لازم آئے گا اور خدا کی نافرمانی ہوگی۔

۴- تین طلاق کے بعد عورت حرام ہو جاتی ہے

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو شرعی طریقے کے مطابق ایک یا دو طلاق (حالتِ طہر میں اور ایک ایک کے حساب سے) دے دیں، مگر رجوع نہیں کیا یہاں تک کہ عورت کی عدت گزر چکی تو اب مرد کو رجوع کرنے کا اختیار باقی نہیں رہا۔ اور ایسی عورت کو "بائن" یا "بائنہ صغریٰ" کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ عورت اپنے شوہر کے نکاح سے آزاد ہو گئی اور اس پر حق زوجیت باقی نہیں رہا۔ اس صورت میں دوبارہ ملاپ کے لئے پھر نئے سرے سے نکاح کرنا پڑے گا۔ لیکن اگر تیسرے طہر میں تیسری بار طلاق دے دی جائے تو پھر شوہر کو رجوع کرنے کا حق سرے سے باقی ہی نہیں رہتا۔ اور بغیر حلالے کے ان دونوں کا دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔ یعنی جب تک کہ کوئی دوسرا شخص اس عورت کو اپنے نکاح میں لے کر اُس سے ہم بستری نہ کرے۔ اس کا تذکرہ آیت ۲۳۰ کے اس فقرہ میں کیا گیا ہے: "پھر شوہر نے اگر عورت کو تیسری بار طلاق دے دی تو وہ عورت اُس کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک کہ اُس کا نکاح دوسرے شخص سے نہ ہو جائے" یعنی جب تک کہ دوسرا شخص اُس سے صحبت نہ کرے۔ واضح رہے کہ لفظ نکاح کے اصل معنی جماع یعنی صحبت کرنے کے ہیں۔ اور مجازاً یہ لفظ عقد نکاح کے لئے بولا جاتا

ہے[4] اس لحاظ سے "حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ" کی رُو سے دوسرے شوہر سے ہم بستری ضروری ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ "تَنْکِحَ" صحبت پر اور لفظ "زَوْجًا" عقدِ نکاح پر دلالت کرتا ہے[5] اس لحاظ سے حلالے کے لئے یہ دو بنیادی شرطیں ہیں۔ اس کی مزید تشریح اگلے مباحث میں مذکور حدیثوں سے بخوبی ہو جائے گی۔

اس آیت کریمہ (۲۲۹) کی رُو سے ثابت ہوتا ہے کہ طلاق یکبارگی نہیں بلکہ الگ الگ دینا چاہئے۔ مگر دو طلاقوں کے درمیان کتنا وقفہ ہو؟ یہ بات اس آیت سے یا قرآن کی کسی بھی دوسری آیت سے ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس سے صرف مجرد تفریق یعنی الگ الگ طلاق دینے کا اثبات ہوتا ہے۔ ہاں البتہ اس کی تشریح حدیثوں سے ہوتی ہے کہ دو طلاقوں کے درمیان کم از کم ایک مہینے کا وقفہ ہونا چاہئے۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ اگر کوئی غیر شرعی طور پر بیک وقت دو یا تین طلاقیں دے دے یا تھوڑے تھوڑے وقفے سے ایک ایک طلاق دے دے (جس سے قرآنی لفظ "دو بار" کا تقاضا بخوبی پورا ہو سکتا ہے) تو کیا ہوگا؟ تو اس مسئلے میں صحیح نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس طرح بیک وقت یا ایک ہی مجلس میں (تھوڑے تھوڑے وقفے سے) تین طلاق دینا سخت گناہ کا باعث بلکہ حرام ہے۔ مگر جب کوئی شخص اس کا مرتکب ہو جائے تو پھر یہ فعل اپنی جگہ پر لغو یا مہمل نہیں ہوگا بلکہ واقع ہو جائے گا، جیسا کہ اگلے مباحث سے ظاہر ہوگا۔

۵۔ بیک وقت تین طلاق دینا حرام ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، تم ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کریں گے تو وہ ظالم ہوں گے۔"

مطلب یہ کہ یہ اللہ کے مقرر کردہ شرعی قواعد و ضوابط ہیں۔ ان کی خلاف ورزی مت کرو۔ چنانچہ حدیث میں بطور تفسیر مذکور ہے: "اللہ نے چند حدود مقرر کی ہیں۔ تم ان سے آگے مت بڑھو۔ اور اس نے چند فرائض بیان کئے ہیں انہیں ضائع مت کرو۔ اور چند چیزوں سے منع کیا ہے ان کی بے حرمتی مت کرو۔

---

[4] عنایہ شرح ہدایہ، ج ۳ ص ۱، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۳۴ء

[5] تفسیر کبیر ۱۰۵/۶، نیز ملاحظہ ہو تفسیر قرطبی ۱۴۸/۳

اور چند چیزوں کے بارے میں تمہارے ساتھ رحم دلی کے طور پر بغیر کسی بھول کے خاموشی اختیار کی ہے۔ لہٰذا تم ان کے بارے میں (خواہ مخواہ) سوال مت کرو (ورنہ کسی مشکل میں پڑ جاؤ گے)۔[۱]

اس آیت (۲۲۹) سے مالکی مذہب والوں نے استدلال کیا ہے (دلیل پکڑی ہے) کہ یک لخت تین طلاق دینا حرام ہے۔ اور ان کے نزدیک صرف ایک طلاق دینا ہی سنت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "طلاق دو بار ہے" پھر اس کے بعد فرماتا ہے "یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، تم ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کریں گے تو وہ ظالم ہوں گے" نیز یہ لوگ محمود بن لبیدؓ کی حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یک وقت تین طلاق دینے والے ایک شخص پر اپنی شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا۔[۲] اس حدیث کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

۱۔ یک وقت دی ہوئی تینوں طلاقیں پڑ جاتی ہیں

نیز اس استدلال کی رُو سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یک وقت تین طلاق دینا اگرچہ حرام ہے مگر ایسی طلاقیں پڑ جاتی ہیں۔ کیونکہ ظالم ہونے کا یہی مطلب ہے کہ وہ پڑ گئیں۔ ورنہ اس ارتکاب کے باوجود کوئی شخص ظالم نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کہنے سے یہ آیتِ قرآنی بے معنی ہو جاتی ہے، ظاہر بات ہے کہ جو شخص ظلم کرے گا وہ ظالم کہلائے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص ظلم کرنے کے باوجود ظالم نہ کہلائے۔ جس طرح کہ کوئی شخص قتل کرنے کے باوجود قاتل نہ کہلائے، گناہ کرنے کے باوجود گنہگار نہ ہو، چوری کرنے کے باوجود چور نہ بنے۔ وقس علیٰ ذٰلک۔ اس طرح کہنا خلافِ عقل ہے۔ یہی مطلب ہے اس آیتِ کریمہ کا:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ : یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدود ہیں، تم ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کریں گے تو وہ ظالم ہوں گے۔

اب جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یک وقت تین طلاق دینے سے وہ واقع نہیں ہوتی یا صرف ایک واقع ہوتی ہے وہ دیکھیں کہ ان کا قول کہاں تک صحیح ہے اور وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ نیز مفسرِ قرآن حضرت ابن کثیرؒ

---

[۱] تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۷۵، ۲۷۶، از عماد الدین ابن کثیر، مطبوعہ مصر۔ [۲] تفسیر ابن کثیر ۱/۲۷۶

نے ایک دوسری آیت کریمہ سے بھی تین طلاق کے وقوع پر قطعی اور مسکت انداز میں استدلال فرمایا ہے۔ یعنی از رُوئے قرآن بیک وقت دی ہوئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ اس کی تفصیل اگلے باب میں حدیث کے تحت ملے گی۔ ظاہر ہے کہ جب قرآن مجید سے قطعی طور پر تین طلاقوں کے وقوع کا ثبوت مل جائے تو پھر اس مسئلے میں چوں و چرا کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی اور اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں رہ جاتا۔

۷۔ جہالت کی بناء پر دی ہوئی طلاقیں بھی پڑ جاتی ہیں

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ بیک وقت دی ہوئی تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں تو اب اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ خواہ وہ جان بوجھ کر دی گئی ہوں یا جہالت کی بناء پر اور نادانی سے ہوں وہ بہرحال واقع ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں مذکور ہے کہ ایک شخص حضرت ابن مسعودؓ کے پاس آیا اور کہا کہ اُس نے کل رات اپنی بیوی کو ایک سو طلاقیں دے دی ہیں۔ آپ نے پوچھا کیا بیک وقت؟ اُس نے کہا ہاں۔ آپ نے پوچھا کیا تم چاہتے ہو کہ وہ تم سے جدا ہو جائے؟ اُس نے کہا ہاں۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ بات ایسے ہی ہوگی جیسے تم نے کہا ہے۔ یعنی اب وہ جدا ہو چکی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دیکھو اللہ نے طلاق کا معاملہ کھول کر بیان کر دیا ہے۔ تو اب جس نے اللہ کے حکم کے مطابق طلاق دی تو یہ صورت اللہ نے واضح کر دی ہے۔ مگر جو اس معاملے میں گڑبڑ کرے گا تو ہم اس کی بلا کو اسی کے سر باندھ دیں گے۔ اس لئے معاملات کو اس طرح مت الجھاؤ کہ اس کی وجہ سے ہم کسی مشکل میں پڑ جائیں۔[31]

محدث بیہقی نے مسلم بن جعفر سے روایت کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے جعفر بن محمدؒ سے کہا کہ لوگ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ جس نے جہالت کی بنا پر تین طلاق دے دیں تو انہیں سنّت کی طرف لوٹایا جائے گا اور انہیں ایک قرار دیا جائے گا۔ اور وہ اس کی روایت آپ سے کرتے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا معاذ اللہ! یہ ہمارا قول نہیں ہے۔ (بلکہ ہمارا قول یہ ہے کہ) جس نے تین طلاق دے دی تو یہ بات اُسی طرح ہو گی جس طرح کہ اُس نے کہا ہے۔[32]

---

[31] مصنف عبدالرزاق نیز بیہقی۔ منقول از تفسیر درمنثور ۱/۲۰۸

[32] بیہقی۔ منقول از تفسیر درمنثور ۱/۲۰۰

نیز بیہقی نے ایک اور روایت جعفر بن محمدؒ ہی سے بیان کی ہے' جس کے مطابق انہوں نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق خواہ جہالت کی بنا پر دے، یا جان بوجھ کر دے وہ اس سے بری ہو گئی۔[۱۷]

۸۔ تین کو ایک قرار دینا اصلاً شیعوں کا مسلک ہے

اوپر مذکور آخری دو حدیثوں میں جعفر بن محمدؒ سے مراد حضرت جعفر صادقؒ (۸۰ ۔ ۱۴۸ھ) ہیں جن کو شیعہ اپنا امام مانتے ہیں۔ مگر ان دونوں حدیثوں سے شیعوں کا پول بخوبی کھل جاتا ہے کہ وہ جھوٹی موٹی حدیثیں گھڑ کر انہیں اپنے اماموں کی طرف منسوب کرتے تھے۔ مگر بعد کی تحقیق سے ان کے جھوٹ اور مکر و فریب کا پردہ چاک ہو جاتا تھا۔ بہر حال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کی بات دراصل شیعوں کی چلائی ہوئی ہے جو بالکل بے اصل ہے۔

واضح ہے کہ شیعوں کا عمومی مسلک یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاق دینے سے ایک بھی واقع نہیں ہوتی۔[۱۸] مگر بعض شیعہ فرقوں کے نزدیک اس سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔[۱۹] لہٰذا یہ مسلک اصلاً شیعوں ہی کا چلایا ہوا اور انہیں کا پھیلایا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

۹۔ نکاحِ ثانی میں صحبت ضروری ہے

جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے (خواہ وہ اکٹھا ہوں یا الگ الگ) تو وہ اس پر اس وقت تک حرام رہتی ہے جب تک کہ حسبِ ذیل پانچ شرائط پوری نہ ہو جائیں: (۱) عورت عدت گزارے گی۔ (۲) دوسرا نکاح کرے گی۔ (۳) دوسرا شوہر اس سے ہم بستری کرے گا۔ (۴) پھر وہ از خود طلاق دے گا۔ (۵) پھر اس کے بعد وہ دوسرے شوہر کی عدت گزارے گی۔[۲۰]

جب یہ پانچ شرطیں پوری ہو جائیں تو پھر وہ پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے، جب کہ وہ

---

۱۷ بیہقی، منقول از تفسیر در منثور ۱/۲۰۰

۱۸ بدائع الصنائع، از امام کاسانی، ۲/۹۲، مطبوعہ کراچی

۱۹ ابن تیمیہ، از شیخ ابو زہرہ مصری، ص ۳۲۶، مطبوعہ مصر، ۱۹۷۷ء

۲۰ تفسیر کبیر ۶/۱۰۳

اُس سے دوبارہ نکاح پر راضی ہو۔ چنانچہ اس سلسلے میں قرآن کا حکم اور فیصلہ اچھی طرح اُوپر گزر چکا ہے۔ اب رہا حدیثوں کا معاملہ تو ان میں اس حقیقت کو پوری طرح کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ تین طلاقوں کے بعد دوسرے شوہر کا اُس عورت سے صحبت کرنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر وہ پہلے کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ مثلاً :

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی تو اُس نے دوسرا نکاح کر لیا۔ مگر دوسرے شوہر نے بھی اُسے طلاق دے دی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا وہ عورت پہلے کے لئے حلال ہو سکتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں، جب تک کہ وہ اُس عورت کی مٹھاس نہ چکھ لے جس طرح کہ پہلے نے چکھا ہے[٩٠] (یہاں پر مٹھاس چکھنے سے مراد ہم بستری ہے)۔

ایک دوسری حدیث میں جو حضرت عائشہؓ ہی سے مروی ہے مذکور ہے کہ رفاعہ قرظی کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور عرض کیا کہ رفاعہ نے انہیں قطعی طلاق (تین طلاق) دے دی ہے، پھر کہا کہ میں نے عبدالرحمٰن بن زبیر سے نکاح کر لیا ہے، مگر عبدالرحمٰن کے پاس جو کچھ ہے وہ کپڑے کے پھندنے کی طرح ہے جو ابھی بنایا گیا ہو (مطلب یہ کہ وہ نامرد ہیں)۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید تم پھر سے رفاعہ کے پاس لوٹ جانا چاہتی ہو۔ مگر نہیں یہ بات اُس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ تمہاری مٹھاس نہ چکھ لے اور تم اُس کی مٹھاس نہ چکھ لو[٩١]۔

یہ دراصل تین طلاق دینے والے کے لئے ایک سخت سزا ہے۔ کیونکہ بیوی سے جدا ہونے کا مقصد صرف ایک طلاق سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ مگر شریعت کے اس آسان اور بے ضرر ضابطے سے منہ موڑتے ہوئے اور انتہائی عجیب قدم اُٹھاتے ہوئے جب کوئی شخص اپنی بیوی کو یک وقت تین طلاق دے بیٹھتا ہے تو وہ نہ صرف اللہ اور اُس کے قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے بلکہ وہ دراصل اللہ کی سب سے بڑی نعمت کو جو اللہ تعالیٰ نے اُسے بیوی کی شکل میں عطا فرمائی تھی یکلخت ٹھکرانے کی بنا پر گنہگار بن جاتا ہے اور اس بنا پر

---

[٩٠] بخاری کتاب الطلاق ۶/۱۹۵ ، مسلم کتاب النکاح ۲/۱۰۵۷ ، نسائی ۶/۱۴۶

[٩١] بخاری ۶/۱۹۵ ، مسلم ۲/۱۰۵۵-۱۰۵۶ ، نسائی ۶/۱۴۸

وہ سخت سے سخت سزا کا مستحق قرار پاتا ہے۔ لہٰذا اب ایسے شخص کی سزا یہ ہے کہ اس کی بیوی جب تک کسی دوسرے شخص کا منہ دیکھ نہ لے وہ اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ تاکہ اُسے اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ خدا کی عطا کردہ نعمت کی ناقدری اور خدائی قانون کی خلاف ورزی کا نتیجہ کیا ہوتا ہے! تاکہ اس سے دوسروں کو بھی عبرت حاصل ہو اور انہیں اس غلط اقدام کا انجام اچھی طرح معلوم ہو جائے۔

چونکہ ایسے شخص نے خدا کے بنائے ہوئے قانون کی خلاف ورزی کر کے دراصل غیرتِ خداوندی کو للکارا ہے، اس لئے اب ضروری ہے کہ ایسے شخص کی بیوی کو دوسرے شخص کے پاس بھیج کر ایسے نافرمان اور ناقدرے شخص کے جذبۂ غیرت و خودداری کو بھی ٹھیس پہنچائی جائے۔ اس اعتبار سے یہ قانون بالکل معقول اور سائنٹفک نظر آتا ہے۔

۱۰۔ حلالے کے لئے کرائے کا شوہر کرنا حرام ہے

اس موقع پر تین طلاق کے بعد اسلامی شریعت میں "حلالے" کی جو قید لگائی گئی ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے یہ شرط پوری کر لی جائے۔ یعنی کرائے کا کوئی "شوہر" تلاش کر کے حلالہ کر لیا جائے۔ اس طرح کرنا سخت گناہ بلکہ حرام ہے۔ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے فعل پر لعنت فرمائی ہے۔

"اللہ لعنت کرے حلالہ کرنے اور کرانے والے پر۔"[20]

لہٰذا مطلقہ عورت کا نکاحِ ثانی صرف اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے جب کہ کوئی دوسرا شخص اپنی طرف سے برضا و رغبت نکاح کرے اور حلالہ کرنا اس کے پیشِ نظر نہ ہو، بلکہ وہ اس عورت کے ساتھ زندگی گزارنے کا خواہش مند ہو جیسا کہ نکاح کا اصل مقصد ہے۔[21]

چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کہ کوئی شخص اگر اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے اور اس کا بھائی بغیر کسی مشورے یا تردد کے اپنے بھائی کے لئے حلال کرنے کی غرض سے از خود نکاح کرے (پھر طلاق دے دے) تو کیا وہ پہلے شخص کے لئے حلال ہو سکتی ہے؟ آپ نے

---

[20] ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد بن حنبل (تفسیر درمنثور)

[21] تفسیر ابن کثیر ۱/۲۷۵

زنا نہیں، جب تک کہ وہ برضا و رغبت (یعنی آشنائی کی غرض سے) نکاح نہ کرے۔ ہم اس قسم کے نکاح کو دورِ رسالت میں زنا تصور کرتے تھے۔[۲۱]

۱۱۔ طلاق کے بعد عورت کو دیا ہوا مال واپس لینا جائز نہیں

آیت ۲۲۹ میں مردوں کو یہ بھی حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ نکاح کے وقت اپنی بیویوں کو مہر، زیور اور کپڑے وغیرہ جو کچھ دے چکے ہیں، وہ طلاق دینے کے بعد واپس نہ لیں، جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں عربوں کا طریقہ تھا۔ ایسا کرنا ان کے لئے جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بات عورتوں کے حق میں سخت نقصان دہ ہوگی، اور جیسا کہ اگلے صفحات میں مذکور سورۂ نساء کی آیت ۲۰ کے تحت اس کی مزید تفصیل آئے گی۔ یہ ساری چیزیں عورتوں کے ساتھ لطف صحبت حاصل کرنے کا صلہ ہیں۔ اور عورت چونکہ طبعاً ایک کمزور مخلوق ہے، اس بنا پر یہ چیزیں واپس لینا کسی بھی طرح جائز نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس اسلام لوگوں کو یہ اخلاقی تعلیم دیتا ہے کہ مطلقہ عورتوں کو رخصت کرتے وقت مزید کچھ دے دلا کر رخصت کیا جائے۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت کریمہ (بقرہ: ۲۴۱) میں اس کی صراحت کی گئی ہے۔ اور اس کا بیان اگلی آیات میں آئے گا۔

ایک حدیث میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ (زمانۂ جاہلیت میں) کوئی بھی شخص اپنی بیوی کو دئے ہوئے مہر اور دوسری چیزوں کو ہڑپ کر لیتا تھا اور اس کو وہ کسی قسم کا گناہ تصور نہیں کرتا تھا۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: "تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ تم جو کچھ اپنی عورتوں کو دے چکے ہو ان میں سے کچھ بھی لے لو۔" تو اس آیت کے نزول کے بعد عورتوں کی کوئی بھی چیز لینا مردوں کے لئے صحیح نہیں رہا، سوائے اس کے کہ اس کا کوئی حق ہو۔ پھر اس کے بعد ارشاد ہوا: "ہاں اگر ان دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کی حدوں (ضوابط) کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔" اسی طرح ارشاد ہے: "اگر تم کو اندیشہ ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔"[۲۲]

مطلب یہ کہ جب اس قسم کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو پھر اس صورت میں (یعنی طلاق یا خلع حاصل

---

[۲۱] حاکم، بیہقی، منقول از تفسیر درمنثور ۱/ ۲۰۲

[۲۲] ابوداؤد، منقول از درمنثور ۱/ ۲۸۰

کرنے کی غرض سے اُسے چھوڑ دے کر کچھ لے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس کی تفصیل اگلی بحث میں کی گئی ہے۔

۱۴۔ ظلم و زیادتی کی وجہ سے عورت خلع لے سکتی ہے

اس آیت (۲۲۹:۲) کی رو سے اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان عورت کو خلع حاصل کرنے کا حق بھی عطا فرمایا ہے، جب کہ (۱) میاں بیوی کے تعلقات کشیدہ ہو جائیں اور ان دونوں میں کسی طرح بنتی نہ ہو، مگر شوہر طلاق دینے پر آمادہ بھی نہ ہو (۲) یا یہ کہ مرد عورت پر ظلم و زیادتی کر رہا ہو اور اس بنا پر عورت کو اُس کے ساتھ زندگی گزارنا دشوار ہو گیا ہو (۳) یا پھر کسی سبب کی بنا پر جب عورت کو یہ اندیشہ پیدا ہو جائے کہ وہ ازدواجی فرائض ادا نہ کر سکے گی اور مرد کے ساتھ اس کا نباہ نہ ہو سکے گا تو ایسی صورت میں عورت اگر یہ کہے کہ میں اپنا مہر یا اس کا کچھ حصہ چھوڑ دیتی ہوں اور شوہر اُس کے بدلے میں طلاق دے دے تو اسے اصطلاح میں "خلع" کہتے ہیں۔

خلع کی صورت میں جو طلاق دی جائے گی وہ رجعی (لوٹانے والی) نہیں بلکہ بائنہ (جدا ہونے والی) ہو گی۔ چونکہ عورت نے معاوضہ دے کر گویا کہ اس طلاق کو خریدا ہے، اس لئے شوہر کو یہ حق باقی نہیں رہتا کہ اس طلاق سے رجوع کر سکے۔ البتہ یہی مرد اور عورت اگر پھر دوبارہ ایک دوسرے سے نکاح کرنے پر راضی ہو جائیں تو ایسا کرنا اُن کے لئے بالکل جائز ہو گا۔ واضح ہے کہ خلع اصلاً طلاق ہی ہے مگر وہ چونکہ عورت کے مطالبے پر دی جاتی ہے اس لئے اس کا نام خلع رکھا گیا ہے۔

اس سلسلے میں یہ اہم مسئلہ ہے کہ اس قسم کی طلاق (خلع) میں اگر قصور مرد کا ہو تو پھر "فدیہ" یعنی معاوضہ لینا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔[۲۹] لیکن اگر قصور عورت کا ہے تو اس صورت میں اپنے دیئے ہوئے مہر سے زیادہ لینا بھی صحیح نہیں ہے۔

تفسیروں میں لکھا ہے کہ یہ آیت حبیبہ بنت سہل کے بارے میں نازل ہوئی جو ثابت بن قیسؓ کی بیوی تھیں۔ اس واقعہ کے مطابق ثابت بن قیسؓ نے اپنی بیوی کو مہر میں ایک باغ دیا تھا، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس کروا کے ان دونوں کے درمیان خلع کروا دیا۔[۳۰] اور بقول

[۲۹] تفسیر ابن جریر ۲/۴۶۳، تفسیر قرطبی ۳/۱۳۷

[۳۰] تفسیر ابن جریر ۲/۴۶۰-۴۶۱، ۴۶۸، تفسیر قرطبی ۳/۱۴۲

حضرت ابن عباسؓ یہ فدیہ اسلام میں اولین خلع تھا۔ بعض حدیثوں میں مذکور ہے کہ کسی عورت کے لئے بلا وجہ
خلع طلب کرنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ ایسی عورتوں کو منافقات قرار دیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل گھٹے باب میں حدیث
۵۳ کے تحت دی گئی۔

خلع مرد و عورت کے درمیان باہمی رضامندی سے (یعنی کورٹ کی مداخلت کے بغیر) بھی ہو
سکتا ہے یا شرعی پنچایت اور قاضی کی عدالت وغیرہ کے ذریعہ بھی۔ اس سلسلے میں زیادہ بہتر یہ ہے کہ خود مرد اور
عورت کے طرفدار باہم مل کر اس سلسلے میں شرعی حدود کے اندر دونوں میں صلح و صفائی اور تصفیہ کرانے کی کوشش
کریں۔ لیکن اگر یہ کوشش ناکام ہو جائے تو پھر ان دونوں کے درمیان طلاق یا خلع کرا دیں۔ واضح رہے کہ طلاق
اگر مرد کی جانب سے ہو تو اس صورت میں مہر وغیرہ واپس لینا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ عورت کے مطالبہ
پر ہو تو اس صورت میں صرف مہر واپس لے سکتا ہے۔ جیسا کہ تفصیل اوپر گزر چکی۔

۱۳۔ مطلقہ عورتوں کو تکلیف نہ دی جائے

آیت ۲۲۹ میں جو حکم دیا گیا تھا کہ دو طلاق کے بعد یا تو مطلقہ عورت کو معروف طریقے سے روک
لیا جائے (پھر سے بیوی بنا لیا جائے) یا پھر حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دیا جائے۔ اس کی مزید وضاحت
آیت ۲۳۱ میں کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ جب تم طلاق دے چکے ہو اور جب مطلقہ عورت کی عدت ختم ہونے کے
قریب ہو جائے تو پھر اُسے محض تکلیف دینے کی غرض سے روکے رکھنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً پہلے ایک
طلاق دی تھی مگر جب عدت ختم ہونے کے قریب ہو گئی تو رجوع کر لیا اور پھر اس کے بعد دوسری طلاق
دے دی۔ تاکہ عورت کو خواہ مخواہ ضرر اور نقصان پہنچایا جائے۔ تو فرمایا جا رہا ہے کہ اس قسم کا اقدام اپنے
نفس پر ایک صریح گناہ اور ظلم ہے جو اللہ کی آیات اور اس کے احکام کے ساتھ ایک مذاق ہے۔ لہٰذا
ایک مسلمان کو کسی بھی حالت میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔

یہ آیت ایک انصاری شخص ثابت بن یسار کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جس نے اپنی بیوی کو
طلاق دی تھی مگر جب اس عورت کی عدت ختم ہونے میں دو یا تین دن رہ گئے تو اس نے رجوع کر لیا
مگر اس کے بعد پھر طلاق دے دی۔ چنانچہ وہ اس عمل کو اسی طرح دہراتا رہا یہاں تک کہ اس عورت پر

زمانہ گزر گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی (وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا)۔ [۲۴]

۱۴۔ اللہ کے احکام کو مذاق نہ بناؤ

اللہ کی آیتوں یعنی اس کے احکام کے ساتھ مذاق مت کرو۔ (آیت ۲۳۱) یعنی اس کے احکام کے ساتھ مت کھیلو۔ چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ نکاح کرنے یا طلاق دینے کے بعد یوں کہہ دیتے تھے کہ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں صاف صاف فرما دیا کہ جس نے اس طرح مذاق نکاح کیا یا طلاق دی تو دونوں صورتوں میں یہ بات نافذ ہو جائے گی۔ اور مختلف کتب حدیث و تفسیر میں اس معنی کی متعدد روایتیں مذکور ہیں۔ چنانچہ ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے: نکاح، طلاق اور رجعت [۲۵]

امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت کیا ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں جو واقع ہو جائیں گی: نذر، طلاق، غلام آزاد کرنا اور نکاح [۲۶]

ایک اور حدیث میں مذکور ہے کہ: جس نے مذاق میں طلاق دی تو وہ نافذ (واقع) ہو جائے گی، جس نے مذاق میں غلام آزاد کیا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور جس نے مذاق میں نکاح کیا تو وہ بھی نافذ ہو جائے گا۔ [۲۷]

بہر حال علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس نے مذاق کے طور پر یا کھیل تماشے میں طلاق دی تو وہ پڑ جائے گی۔ [۲۸]

---

[۲۴] تفسیر ابن جریر ۲/۲۹۵، تفسیر در منثور ۱/۲۰۵

[۲۵] دیکھئے تفسیر قرطبی ۳/۱۵۶، یہ حدیث ترمذی، ابن ماجہ، حاکم، دارقطنی میں بھی مروی ہے۔ دیکھئے تفسیر در منثور ۱/۲۸۶

[۲۶] منقول از تفسیر در منثور، از علامہ سیوطی، ۱/۲۸۶، مطبوعہ بیروت

[۲۷] مصنف عبد الرزاق، منقول از تفسیر در منثور ۱/۲۸۶

[۲۸] تفسیر قرطبی ۳/۱۵۶

اسی طرح بیک وقت تین یا اس سے زیادہ طلاقیں دینا بھی احکام الہٰی کے ساتھ ایک مذاق ہے۔ طلاق اصلاً ایک ایک کر کے دی جانی چاہئے، جیسا کہ ارشاد باری "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" (طلاق دو بار ہے) کا تقاضا ہے۔ یعنی دو طلاقیں دو بار ہوں، ایک ہی بار نہ ہوں[۱۲] جب دو طلاقیں ایک بار دینا منع ہے تو ظاہر ہے کہ تین طلاقیں ایک بار دینا بھی منع ہے۔ حدیث شریف چونکہ قرآن کی شرح ہے، اس لئے حدیث کی رو سے ان "دو بار کی طلاقوں" کے درمیان کم از کم ایک ماہ کا وقفہ ہونا چاہئے۔ لہٰذا ایک ہی جلسے میں دو بار یا تین بار، یا ایک ہی مجلس میں دو بار یا تین بار، یا ایک ہی لفظ میں دو بار یا تین بار طلاق دینا غیر شرعی اور ممنوع طریقہ ہے، جو در اصل احکام الہٰی کے ساتھ ایک مذاق ہے۔ اسی بنا پر نسائی کی ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیک وقت تین طلاق دینے کو اللہ کی کتاب سے کھیلنا قرار دیا ہے۔ دیکھئے یہ حدیث کس طرح مروی ہے:

محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص کے بارے میں خبر دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی کو یکدم تین طلاقیں دے دی ہیں تو آپ غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جائے گا جب کہ میں تمہارے سامنے موجود ہوں؟ اس پر ایک صحابی کھڑے ہو گئے اور کہا: رسول اللہ کیا میں اس شخص کو قتل کر دوں![۱۳]

علامہ سیوطی تحریر کرتے ہیں کہ اس حدیث کے ظاہری الفاظ (سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ) بیک وقت تین طلاق دینا حرام ہے۔ اور جمہور علماء (علماء کی اکثریت) کا مسلک یہ ہے کہ اس طرح دی ہوئی تینوں طلاقیں پڑ جاتی ہیں۔[۱۴] کیونکہ ان طلاقوں کو واقع نہ مانا جائے تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید ناراضگی کی کوئی وجہ نہیں رہتی۔ اتنی شدید ناراضگی کو دیکھ کر ایک صحابی اس شخص کو قتل تک کر دینے کا ارادہ کر لیتے ہیں۔ اس حدیث کی مزید تشریح اگلے باب میں حدیث ۵۳ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

---

۱۲ حاشیہ سنن نسائی، از علامہ سیوطی ۲/۹۰، مطبوعہ بیروت

۱۳ نسائی ۲/۱۴۲، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت

۱۴ حاشیہ سنن نسائی ۲/۱۴۲ (محل مذکور)

غرض بیک وقت تین یا تین سے زیادہ طلاقیں دینا بھی آیاتِ الٰہی (احکام خداوندی) سے کھیلنا اور ان کے ساتھ مذاق کرنا ہے، جو بہر صورت لاگو ہو جائیں گی، لغو یا بے معنی نہیں ہوں گی۔ اور تین سے زیادہ طلاق دینے کی صورت میں صرف تین ہی واقع ہوں گی، باقی بے معنی قرار دی جائیں گی۔ کیونکہ کسی بھی شخص کو شرعاً صرف تین ہی طلاقیں دینے کا اختیار ہے۔ دیکھئے یہ مسئلہ حسبِ ذیل حدیثوں سے واضح اور دوٹوک طریقہ پر کس طرح ثابت ہوتا ہے!

موطا امام مالک میں مذکور ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں تو آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تین سے تو وہ مطلقہ بن گئی اور باقی ۹۷ کے ذریعہ تم نے اللہ کے احکام کو مذاق بنا دیا ہے۔[۲۳]

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابن مسعودؓ سے مذکور ہے کہ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک سو طلاقیں دی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تین سے تو وہ بائن (تم سے جدا) ہو گئی اور باقی طلاقیں تجاوز قرار دی جائیں گی۔[۲۴]

اس طرح کی اور بھی صورتیں موجود ہیں۔ بہرحال اس بحث سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی کہ نکاح کے "دو بول" بولنے سے وہ جس طرح منعقد ہو جاتا ہے، اسی طرح طلاق کے "دو بول" بولنے سے وہ ٹوٹ بھی جاتا ہے، خواہ کوئی مذاقاً بولے یا سنجیدگی سے۔ اسی طرح اس بحث سے یہ حقیقت بھی پوری طرح واضح ہو گئی کہ نکاح نامہ ایک معاشرتی و عمرانی معاہدہ ہے جو جس طرح منعقد ہو سکتا ہے اسی طرح وہ ٹوٹ بھی سکتا ہے۔ نیز یہ کہ اس عمرانی معاہدہ کی رو سے جس طرح ایک طلاق واقع ہو سکتی ہے اسی طرح تین طلاقیں بھی واقع ہو سکتی ہیں۔ اور ان دونوں میں فرق جو کچھ ہے وہ صرف یہ ہے کہ ایک طلاق دینے کی صورت میں ایک گونہ تعلق باقی رہتا ہے۔ جبکہ تین طلاق دینے کی صورت میں رشتۂ ازدواج پوری طرح منقطع ہو جاتا ہے۔ مگر جہاں تک ان کے وقوع کا سوال ہے تو اس میں شرعی و عقلی کسی بھی حیثیت سے یہ بات ناممکن نہیں ہے۔ بلکہ مذکورہ بالا مباحث کی رو سے شرعی و

---

[۲۳] موطا ص ۵۵۰، مطبوعہ بیروت۔ نیز سنن دارقطنی ۱۲/۴، مطبوعہ مصر

[۲۴] مصنف عبدالرزاق۔ بیہقی۔ منقول از درمنثور ۲۸۲/۱

عقل دونوں حیثیتوں سے اس کا وقوع ثابت ہے۔

حاصل بحث یہ کہ تین طلاق خواہ سنجیدگی کے ساتھ دی جائیں یا مذاق کے ساتھ، جان بوجھ کر دی جائیں یا جہالت و ناواقفیت کی بنا پر وہ ہر صورت میں واقع ہو جاتی ہیں۔ اس قسم کا اقدام اگرچہ احکام خداوندی کے ساتھ ایک مذاق ہے مگر یہ فعل نہ تو لغو یا کالعدم قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کا مرتکب مقررہ سزا سے بچ سکتا ہے۔

۱۵- حدود الٰہی سے تجاوز اللہ کی نافرمانی ہو گی

ان آیات میں جگہ جگہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھنے اور ان سے تجاوز کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ اور خاص کر آیت ۲۳۱ میں بڑے بلیغ اور مؤثر انداز میں نصیحت کی گئی ہے۔ نیز اللہ کی نعمت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی عدول حکمی سے منع کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ اس موقع پر اللہ کی نعمت سے مراد اسلام ہے جس سے اس نے اہل اسلام کو سرفراز کیا ہے اور ان کو حکمت سے بھرپور کتاب و شریعت عطا کی ہے۔ لہذا اس نوازش کتاب و شریعت کا تقاضا ہے کہ اللہ کے بندے اس پر صدق دل کے ساتھ عمل کریں اور اللہ کی آیات اور اس کے احکام سے نہ کھیلیں اور اس کے دین و شریعت کو مذاق نہ بنائیں۔

حدود اللہ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے منع کیا گیا ہے۔ اور عقل کا ان پر جرأت کرنے سے روکنی ہے[۱۴۳] لہذا خدا اور یوم آخرت پر ایمان کا تقاضا ہے کہ حدود الٰہی کو ہر حال میں قائم رکھا جائے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی اور اس کے شرعی ضوابط کو توڑنے کی کبھی جرأت نہ کی جائے۔ ورنہ ایسے لوگوں کا انجام بہت برا ہو گا۔

۱۶- عورتوں کو اپنی پسند کے مطابق نکاح کا حق ہے

آخری آیت (۲۳۲) میں کہا جا رہا ہے کہ طلاق دے چکنے کے بعد مطلقہ عورتوں کی عدت پوری ہو جائے اور پھر وہ اپنی پسند کے مطابق کسی نئے شخص سے یا سابقہ شوہر ہی سے دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو پھر ان کو مت روکو، جبکہ وہ معروف طریقے سے باہم رضامند ہوں۔ یہی تمہارے لئے بہتری ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صورت میں ان کے لئے بہتری اور اچھا انجام مقدر کر رکھا ہو۔

---

[۱۴۳] تفسیر قرطبی: ۱۵۲/۳

چنانچہ حدیث کی متعدد کتابوں میں ایک صحابی معقل بن یسار کی بہن کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ انہوں نے اپنی بہن کا نکاح اپنے چچا زاد بھائی سے کر دیا تھا۔ مگر چند دنوں کے بعد اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے کر چھوڑ دیا، یہاں تک کہ اس عورت کی عدت گزر گئی۔ پھر دوبارہ اس نے نکاح کا پیغام بھیجا تو معقل بن یسار کو اس سے بڑی غیرت آئی اور کہا کہ اس نے میری بہن کو چھوڑ دیا حالانکہ وہ اس پر قابض تھا اور اب دوبارہ پیغام بھیج رہا ہے! تو انہوں نے اس پیغام کو رد کر دیا۔ (مگر چونکہ وہ عورت بھی اسی شخص سے دوبارہ نکاح کرنے پر راضی تھی) اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معقل کو بلا کر انہیں یہ آیت سنائی تو ان کی غیرت دور ہوئی اور انہوں نے اللہ کے حکم کی پیروی کی۔[1]

اس حکم سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ (بالغ اور خاص کر شوہر دیدہ) عورت اپنی پسند کے مطابق نکاح کر سکتی ہے۔ اور عورت کے ولی (سرپرست) کو جائز نہیں ہے کہ اس کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر زبردستی کسی سے کر دے۔

اور احناف نے اس سے استدلال کیا ہے کہ (بالغ) عورت اپنا نکاح اپنے ولی کی اجازت کے بغیر خود کر سکتی ہے کیونکہ اس آیت میں نکاح کرنے کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے (...... کہ وہ اپنی عدت پوری کرلیں تو پھر ان کے درمیان رکاوٹ نہ ڈالو کہ وہ اپنے (زیر تجویز) شوہروں سے نکاح کرلیں)۔ جیسا کہ یہ بات سابقہ آیات میں بھی مذکور ہے اور ان مقامات میں ولی کا تذکرہ موجود نہیں ہے۔[2]

(۴) لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ (۲۳۶) وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (۲۳۷) وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى

---

[1] بخاری ۲/ ۱۶۲ مطبوعہ استنبول، ابوداؤد ۲/ ۵۶۹ تا ۵۷۰، نیز ترمذی، نسائی، ابن ماجہ

[2] دیکھئے تفسیر قرطبی ۳/ ۱۵۹ اور تفسیر کبیر ۶/ ۱۱۳ تا ۱۱۴

الْمُتَّقِينَ (۲۴۱) كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (۲۴۲) سورۃ بقرہ۔

ترجمہ: تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم عورتوں کو ہاتھ لگانے (یعنی جماع کرنے) اور مہر مقرر کرنے سے پہلے ہی طلاق دے دو۔ (ایسی صورت میں) ان کو کچھ فائدہ دو: امیر اپنی حیثیت کے مطابق اور غریب اپنی حیثیت کے مطابق معروف طریقہ سے دے۔ نیک لوگوں کو ایسا ضرور کرنا چاہیے (۲۳۶) اور اگر ہاتھ لگانے سے پہلے ان کو طلاق دو جبکہ ان کا مہر مقرر ہو چکا ہو تو اس صورت میں مقررہ مہر کا آدھا حصہ دینا ہوگا (اور تحفہ لازم نہیں ہوگا) - مگر یہ کہ عورتیں خود ہی (اپنا مہر) معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جسے نکاح باندھنے کا اختیار ہے۔ اور معاف کرنا پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے۔ (لہٰذا) باہم ایک دوسرے پر احسان کرنے سے مت چوکو (مثلاً عورت آدھا مہر بھی چھوڑ دے یا مرد پورا مہر دے دے)۔ بے شک اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ (۲۳۷) اور طلاق والیوں کو رواج کے مطابق تحفہ ملے گا۔ یہ لازم ہے پرہیزگاروں پر (۲۴۱) اسی طرح اللہ اپنے احکام تمہارے لئے بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم (ان باتوں کو اچھی طرح) سمجھ لو۔ (۲۴۲)

شرعی احکام و مسائل

۱۷ ـ مہر اور طلاق کا ایک ضابطہ

اسلامی شریعت کے مطابق جس طرح پہلے سے مہر مقرر کر کے نکاح کرنا صحیح ہے' اسی طرح بغیر مہر مقرر کئے نکاح کرنا بھی درست ہے۔ اور جس طرح نکاح کر کے اور عورت سے مباشرت کر چکنے کے بعد طلاق دینا صحیح ہے' اسی طرح مباشرت کرنے سے پہلے بھی طلاق دینا صحیح ہے۔ اوپر مذکور پہلی دو آیتوں سے یہی دو احکام ذہن نشین کرانا مقصود ہے۔

۱۸ ـ بلا وجہ طلاق دینا سخت ناپسندیدہ ہے

"تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم عورتوں کو ہاتھ لگانے اور مہر مقرر کرنے سے پہلے ہی طلاق دے دو" اس قسم کی آیات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح طلاق دینا بالکل جائز ہے اور اس طرح طلاق دینے والے پر کسی بھی قسم کا گناہ نہیں ہوگا۔ تو یہاں پر یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن مجید کا اس موقع پر طلاق کے اسباب و عوامل سے کوئی بحث نہیں ہے۔ بلکہ اس کے اسباب و وجوہات جو بھی ہوں وہ ان سے تعرض کئے

بغیر صرف ان شکلوں میں جواز ثابت کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ معاشرتی اعتبار سے ایسے واقعات پیش آ سکتے ہیں جس کی بنا پر ایک شخص کسی خاص سبب اور خاص وجہ کی بنا پر نکاح کرنے کے فوراً بعد طلاق دینے پر مجبور ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اسلامی شریعت میں اس کی وضاحت ضروری تھی کہ جب ایسی صورت حال پیش آجائے تو کیا کوئی شخص طلاق دے سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کے جواز کو ثابت کرنے کی غرض سے ان آیات میں اس کا بیان کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص نکاح کرنے کے فوراً بعد طلاق دینے کی حماقت تو نہیں کرے گا بلکہ اس قسم کا اقدام کسی غیر معمولی سبب کی نشاندہی کرنے والا ہوتا ہے۔ مگر قرآن اس قسم کے اسباب کی نشاندہی کئے بغیر محض صورت واقعہ کو تسلیم کر کے ایک مسئلہ کا حکم بتا رہا ہے۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ بلا وجہ طلاق دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ تو اس کی وضاحت حدیثوں میں کی گئی ہے کہ نکاح کے بندھن کو بغیر کسی سبب کے توڑنا اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ شَیْئًا اَبْغَضَ اِلَیْہِ مِنَ الطَّلَاقِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے جن چیزوں کو حلال قرار دیا ہے ان میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز اس کے نزدیک طلاق ہے۔[۱۹]

نکاح کا اصل مقصد گناہ سے بچنے اور پاکدامنی کی زندگی گزارنے کی غرض سے عورت کو ہمیشہ کے لئے اپنا رفیق زندگی بنانے کا ارادہ کرنا ہے تاکہ اس کے ذریعہ دین و دنیا کی بھلائیاں اور رضائے الٰہی حاصل ہو۔ یہ نہیں کہ محض چند دنوں کے لئے عورت سے لطف اٹھانے کی غرض سے نکاح کیا جائے پھر اسے طلاق دے کر چلتا کر دیا جائے۔ ایسا کرنا سخت گناہ اور معاشرتی فساد کا باعث ہے۔ اور اس قسم کے فعل کی قرآن اور حدیث دونوں میں سخت مذمت کی گئی ہے۔ مثلاً سورۂ نساء میں فرمایا گیا ہے:

اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ: تمہارا مقصود مال خرچ کر کے عفت قائم رکھنے والے بننا ہو نہ کہ شہوت رانی کرنے والے بننا۔ (نساء: ۲۴)

اور حدیث شریف میں مذکور ہے: لَعَنَ اللّٰہُ الذَّوَّاقِیْنَ وَالذَّوَّاقَاتِ: اللہ لعنت کرے

---

[۱۹] سنن ابو داؤد ۱/۱۲۰ مطبوعہ حمص، سنن دارقطنی ۳/۳۵ مطبوعہ مصر۔

جیسی جھگڑالو فطرت رکھنے والے مردوں اور ایسی ہی عورتوں پر۔

۱۹۔ مُطلّقہ عورتوں کی چار قسمیں

غرض عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں یہی تصور رہتا ہے کہ کسی عورت کا مہر مقرر کئے بغیر یا "مہر مثل" ادا کئے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ان آیات پر اس مسئلے کی شرعی حیثیت واضح کی گئی ہے۔ چونکہ ان آیات کی رُو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی عورت سے مہر مقرر کرنے سے پہلے بھی نکاح ہو سکتا ہے اور مہر مقرر کرنے کے بعد بھی۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کسی عورت کو ہاتھ لگانے (صحبت کرنے) سے پہلے بھی طلاق دی جا سکتی ہے اور ہاتھ لگانے کے بعد بھی۔ اس طرح مجموعی اعتبار سے مُطلّقہ عورتوں کی حسب ذیل چار قسمیں قرار پاتی ہیں:

۱۔ وہ مطلقہ جس کا مہر مقرر نہ ہوا اور اُسے ہاتھ بھی نہ لگایا گیا ہو۔

۲۔ وہ مطلقہ جس کا مہر تو مقرر ہو مگر اُسے ہاتھ نہ لگایا گیا ہو۔

۳۔ وہ مطلقہ جس کا مہر بھی مقرر ہوا اور اُسے ہاتھ بھی لگایا جا چکا ہو۔

۴۔ وہ مطلقہ جس کا مہر مقرر نہ ہوا اور اُسے ہاتھ لگایا جا چکا ہو۔[۱]

چنانچہ آیت ۲۳۶ میں پہلی قسم کی مُطلّقہ کا اور آیت ۲۳۷ میں دوسری قسم کی مُطلّقہ کا بیان موجود ہے کہ ان دونوں عورتوں میں شرعی حکم کیا ہے! تو اُوپر مذکور چار آیتوں میں سے پہلی دو آیتوں میں پہلی اور دوسری قسم کی مطلقہ عورتوں کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ پہلی قسم کی مطلقہ کو مہر نہیں ملے گا بلکہ اس کے عوض میں کچھ تحفہ ملے گا جسے شریعت کی اصطلاح میں "متاع" یا "مُتعہ" (طلاق کا تحفہ) کہا جاتا ہے۔ اور دوسری قسم کی مطلقہ کو نصف مہر ملے گا۔

۲۰۔ مُطلّقہ کو تحفۂ طلاق کب ملے گا؟

غرض پہلی آیت (۲۳۶) کی رُو سے ثابت ہوتا ہے کہ بغیر مہر مقرر کئے کسی عورت سے نکاح کرنا اور اگر کسی وجہ سے اُسے ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دینا جائز ہے۔ مگر اس صورت میں عورت کو "متاع" (تحفۂ طلاق) دینا پڑے گا۔ یعنی اس کی دلداری کی خاطر بطور تحفہ کچھ چیزیں دینا واجب ہے۔ کیونکہ ایسی عورت کو مہر

---

[۱] تفسیر کبیر ۶/۱۳۵، تفسیر قرطبی ۳/۱۹۷

نہیں ملتا، جیسا کہ ذہن لیتا ہے۔

اسلامی شریعت میں "متعۂ طلاق" کی کوئی متعین مقدار نہیں ہے۔ بلکہ مختلف فقہا کے نزدیک اس کا معیار مختلف ہے اور اس کا سب سے کمتر درجہ تین کپڑے ہیں۔ اور اس کا سب سے اعلیٰ درجہ دورِ قدیم کے معیار کے مطابق ایک خادم فراہم کرنا قرار دیا گیا تھا۔ مگر بہتر یہ ہے کہ دونوں کی حیثیت کے مطابق اس صورت میں زیادہ سے زیادہ احسان کر کے عورت کی وحشت کو دور کرنے کی کوشش کرے، جیسا کہ قرآن کی اس تصریح کا تقاضا ہے: "امیر اپنی حیثیت کے مطابق اور غریب اپنی حیثیت کے مطابق معروف طریقے سے دے"۔ لہٰذا اگر کوئی ہزاروں روپے بھی دے دے تو وہ جائز ہے۔ مگر کسی سے اس رقم کی ادائیگی کا قانونی مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مرد کی حیثیت پر موقوف کیا ہے۔ دولتمند امیر بھی ہو سکتا ہے اور غریب بھی۔ لہٰذا ایسی صورت میں ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق دے اور معاملہ کو طول نہ دیا جائے۔

اس واقعہ سے بھی اسلام کی حسنِ معاشرت اور اس کی بے نظیر اخلاقی تعلیم کی ایک جھلک ہے کہ وہ کسی بھی صورت میں عورت کی دل شکنی گوارا نہیں کرتا۔ بلکہ ہر معاملے میں اس کے ساتھ نیکی، مروت اور حسنِ سلوک کی تلقین کرتا ہے۔

۲۱۔ عورت کو نصف مہر کب ملے گا؟

دوسری آیت (۲۳۷) میں اس مسئلے پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ مہر مقرر ہو چکنے کے بعد اگر کسی عورت کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دینے کی نوبت آگئی تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ تو قرآن فتویٰ دے رہا ہے کہ اس صورت میں مقررہ مہر کا نصف دینا پڑے گا۔ مثلاً اگر کسی نے دو ہزار روپئے مہر مقرر کئے تھے تو اس صورت میں ایک ہزار روپئے دینے پڑیں گے۔ اگر دس ہزار مقرر کئے تھے تو پانچ ہزار دینے ہوں گے۔ چونکہ مہر عورت کا ایک شرعی حق ہے، اس لئے وہ سوائے پہلی صورت کے بقیہ صورتوں میں واجب ہوتا ہے۔

۲۲۔ عورت کو پورا مہر کب ملے گا؟

مذکورہ بالا چار شکلوں میں سے تیسری شکل کے مطابق یعنی مہر مقرر ہو چکنے اور خلوت ہو جانے کے بعد اگر کسی نے طلاق دی ہے تو اس صورت میں پورا مہر دینا پڑے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ اس کی

ایک دوسرے کے ساتھ مساوی و برابر کا رویہ اپنائیں۔ جیسا کہ یہ تاکید خاص کر آیت ۲۰ میں نظر آتی ہے جس میں مرد اور عورت دونوں کو زندگی کو اچھا کرنے پر ابھارا گیا ہے۔

(۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (۱۹) وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۚ أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا (۲۰) وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا (۲۱) سورۂ نساء

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن بیٹھو اور دیا ہوا کچھ مال ان سے واپس لینے کی غرض سے انہیں روکے رکھو، ہاں اگر وہ کھلم کھلا کسی بدچلنی کا ارتکاب کریں۔ عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تمہیں (ان کی) کوئی ایک چیز پسند نہ آئے مگر (مجموعی طور سے) اللہ نے بہت کچھ بھلائی رکھ چھوڑی ہو۔ (۱۹) اور اگر تم ایک عورت کی جگہ دوسری کو بدلنا چاہو اور صورت یہ ہو کہ تم نے ان میں کسی ایک کو ایک انبار کا انبار مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔ کیا تم بہتان لگا کر اور صریح گناہ کے مرتکب بن کر اسے واپس لوگے؟ (۲۰) تم اسے کس طرح واپس مانگ سکتے ہو جب کہ تم باہم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکے ہو اور وہ عورتیں تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں؟ (۲۱)

شرعی احکام و مسائل

۲۴ - زبردستی عورتوں کا مالک بن جانا جائز نہیں

پہلی آیت میں تین قسم کے احکام دیئے گئے ہیں۔ اور ان میں سے پہلا حکم ایک خاص قسم کے سماجی ظلم اور عورتوں کے ساتھ ناانصافی کو روکتا ہے۔ چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں رواج تھا کہ جب کوئی شخص مرجاتا تو اس کا کوئی قریبی عزیز یا رشتہ دار آتا اور متوفی (مرے ہوئے شخص) کی بیوی یا اس کی لڑکی پر اپنا کپڑا ڈال دیتا۔

اور اس فعل سے اُس دور کے سماجی رواج کے مطابق اُس کو حق حاصل ہو جاتا۔ اور اُسے اختیار حاصل رہتا کہ وہ چاہے تو اُس عورت یا لڑکی سے بغیر مہر کے نکاح کر لے، یا اُس کا نکاح اپنی مرضی سے کسی اور سے کر دے، یا پھر اُس کو شادی سے بالکل روکے رکھے۔ تاکہ اُس نے جو کچھ ترکہ پایا ہے اُسے زبردستی ہضم کر لے۔[22]

۲۵۔ عورتوں کا مال زبردستی ہتھیانا جائز نہیں

عورت کے ساتھ دوسری قسم کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کسی کے عقد میں کوئی بوڑھی عورت ہو، یا ایسی عورت جو اُسے ناپسند ہو اور وہ دوسری شادی کرنا چاہتا ہو، مگر پہلی بیوی کے مالدار ہونے کی وجہ سے اُس کو چھوڑنا بھی گوارا نہ ہو۔ بلکہ وہ اُسے محض اس وجہ سے روکے رکھنا چاہتا ہو کہ اُس کے مرنے کے بعد یا تو وہ اُس کا وارث بنے یا اُس سے کوئی موٹی رقم لے کر اُس کو خلع دے دے۔ تو ایسا کرنا بھی جائز نہیں ہے۔[23]

۲۶۔ مہر اور تحفے واپس لینا ناجائز ہے

پہلی آیت (۱۹) سے دوسرا حکم یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی ناپسندیدہ عورت کو اُس کے حقوق معطل کر کے اور اُسے طلاق دیئے بغیر محض اس بنا پر روکے رکھنا کہ مرد نے عورت کو جو تحفے تحائف دیئے تھے وہ یا ان میں کا کچھ حصہ واپس لینے کا خواہشمند ہو تو یہ فعل شریعت کی نظر میں سخت ناپسندیدہ اور ناجائز ہے۔ لیکن اگر عورت کی طرف سے کوئی کھلی ہوئی بے حیائی یا ناشائستہ حرکت کا ظہور ہو رہا ہو جس کی وجہ سے اُس عورت کو طلاق دینا ضروری ہو رہا ہو تو اس صورت میں اپنے دیئے ہوئے مہر کا واپس لینا جائز ہوگا۔ یعنی مہر واپس لے کر خلع کر لیا جائے۔[24]

اس موقع پر "فَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ" (کھلی ہوئی بے حیائی) کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اور مفسرین نے اس کے کئی معنی بیان کئے ہیں۔ (۱) اس سے مراد زناکاری ہے۔ (۲) اس سے مراد نافرمانی ہے۔ (۳) اس سے مراد بدگوئی و بداخلاقی اور شوہر کو تکلیف پہنچانا ہے۔[25] اور یہ سب معنی مراد ہو سکتے ہیں۔

---

[22] ابو داؤد ۲/۲۲۵، تفسیر کبیر ۱۰/۱۰، تفسیر قرطبی ۵/۹۴، تفسیر روح المعانی ۴/۲۴۱

[23] ماخوذ از تفسیر قرطبی و روح المعانی

[24] ماخوذ از تفسیر مظہری ۲/۴۲ – ۵۰

[25] تفسیر قرطبی ۵/۹۵، تفسیر کبیر ۱۰/۱۱

یعنی عورت جب اپنی شوہر کی کوئی حرکت کر بیٹھے تو پھر وہ رعایت کی مستحق نہیں رہتی۔

۲۷۔ کسی عورت میں کوئی خامی ہو تو کچھ خوبیاں بھی ہو سکتی ہیں

پہلی آیت سے یہ امر تو ثابت ہو جاتا ہے اور مردوں کو عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ مگر بالفرض عورت کی کوئی بات یا اُس کا کوئی فعل مرد کے لئے ناگوار و ناپسند ہو تو حُسنِ معاشرت کا تقاضا یہ ہے کہ مرد اُسے جہاں تک ہو سکے برداشت کرے نہ کہ جھٹ سے طلاق دے کر فارغ کر دے۔ کیونکہ ایسا کرنا گرچہ قانونی طور پر جائز تو ہے مگر اخلاقی اعتبار سے ایک معیوب بات ہوگی۔ کیونکہ اس سے معاشرے میں ایک انتشار پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا مرد کو ہر حالت میں تحمل، بُردباری اور رواداری کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور اُسے یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر کسی عورت میں کچھ خامیاں ہوں تو اُس میں کچھ خوبیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ اور اس اعتبار سے طلاق اور دوسری شادی مسئلہ کا حل نہیں ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ دوسری بیوی میں وہ خوبیاں موجود نہ ہوں جو پہلی بیوی میں موجود ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس صبر و تحمل کے باعث اللہ تعالیٰ نے ایسے مرد کے لئے انجامِ کار بہت سی بھلائیاں رکھ چھوڑی ہوں، مثلاً صالح اولاد وغیرہ۔ لہٰذا عورت کے کسی فعل سے ناراض ہو کر جلد بازی میں کوئی اقدام کر بیٹھنا شریعت کی نظر میں سخت ناپسندیدہ بات ہے۔

اس ضمن میں آیتِ کریمہ مقصودِ نکاح پر بھی خوبی روشنی ڈالتی ہے کہ نکاح دراصل مرد و عورت کے درمیان ہمیشگی اور دوامی محبت کے طور پر ہوتا ہے اور اس راہ کی مشکلات کو صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کرنا چاہئے۔ اور اس اعتبار سے یہ اسلامی معاشرت کی ایک بے نظیر اخلاقی تعلیم اور اس کا ایک بنیادی اصول ہے۔

۲۸۔ عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید

اسلام نے جس طرح قدم قدم پر عورتوں کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آنے اور اس کو ہر مخلوق کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرنے کی جو تلقین کی ہے اُس کی نظیر دیگر مذاہب و قوانین میں نہیں ملتی۔ چنانچہ اس سلسلے میں چند حدیثیں ملاحظہ ہوں جن سے قرآنی احکام کی مزید تشریح و تفسیر ہوتی ہے:

لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ (کوئی مومن

مرد کسی مومن عورت سے بغض نہ رکھے کیونکہ اگر وہ اس کی کسی ایک عادت سے ناراض ہو تو اس کی کسی دوسری عادت سے راضی ہوگا۔[۴۲]

وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ۔ فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ۔ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ۔ إِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ : عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو۔ کیونکہ عورت پسلی کی ہڈی سے پیدا کی گئی ہے۔ اور اس کا اوپری حصہ سب سے زیادہ ٹیڑھا ہے۔ (یعنی عورت زبان دراز ہوتی ہے)۔ لہٰذا اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو تو اسے توڑ دو گے۔[۴۳]

اس حدیث کی شرح خود ایک دوسری حدیث میں اس طرح بیان کی گئی ہے " عورت اپنے ٹیڑھے پن کی وجہ سے کبھی سیدھی نہیں ہو سکتی اگر تم اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو اس کے ٹیڑھے پن کے وجود (یعنی اسے برداشت کرتے ہوئے) فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ ورنہ اگر تم اسے بالکل سیدھا کرنا چاہو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ اور اس کو توڑنا طلاق ہے۔[۴۴]

یعنی عورت کبھی اور کسی صورت میں سیدھی نہیں ہو سکتی۔ مگر اس کی فطرت کے مطابق اس میں کچھ نہ کچھ ٹیڑھا پن ضرور رہے گا۔ لہٰذا عقلمند مرد وہی ہے جو اس کے اس ٹیڑھے پن کو برداشت کرتے ہوئے ایک خوشگوار اور کامیاب زندگی گزارنے کی کوشش کرے گا۔ ورنہ عورت کو " سیدھا " کرنے کی کوشش کے نتیجے میں وہ سر بستہ جنت کھو دے گا اور سوائے محرومی اور پشیمانی کے کوئی چیز ہاتھ نہ آئے گی۔ کیونکہ طلاق دینے کا صحیح مصرف یہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو آخری چارۂ کار ہے جو کافی سوچ بچار اور اس کے پورے نشیب و فراز پر غور و خوض کے بعد ہی چاہیئے۔ غرض عورت کی اس فطرت کو اس کی لغزشوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو شخص زندگی گزارے گا وہ بڑے مزے میں رہے گا۔

۲۹۔ عورت کو دی ہوئی چیز واپس لینا ناجائز کیوں؟

بہرحال عورت کی کسی بُری عادت و خصلت یا اس کی بے وفائی کے باعث آخری چارۂ کار کے طور پر نوبت اگر طلاق دینے تک آ ہی جائے اور مرد مستقل ارادہ کر لے کہ اپنی ناکارہ عورت سے پیچھا چھڑا کر کسی دوسری

---

۴۲ ، ۴۳ ، ۴۴ صحیح مسلم جلد دوم ص ۱۹۱ مطبوعہ ربانی

عورت سے رشتۂ ازدواج کا ختم ہو جانا ہی بہتر ہے تو پھر دوسری آیت (۲۰) کے مطابق اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ عورت کو دیا ہوا مہر اور تحفے وغیرہ واپس لے لے۔ بلکہ ایسا کرنا ایک ناحق بات اور صریح گناہ کا باعث ہوگا۔ اور یہ بات اُس کی شرافت و مردانگی کے بھی خلاف ہوگی۔

اس قسم کی ناشائستہ حرکت کی وجہ اگلی آیت (۲۱) میں بیان کرتے ہوئے اس قسم کے اقدام کی مذمت کی جاتی ہے کہ نکاح کے بعد جب عورت اپنے آپ کو مرد کے سپرد کر دیتی ہے اور وہ اس سے لطف اندوز ہو چکا ہے تو پھر پورے مہر کی ادائیگی اُس کے ذمہ واجب ہو جاتی ہے۔ لہذا عورت سے تمتع کرنے کے بعد مہر کی واپسی کا مطالبہ کرنا سراسر ناجائز ہے۔ اور اسی طرح وہ تحفے تحائف بھی جو شوہر نے نکاح کے وقت یا اُس کے بعد اپنی بیوی کو دیئے تھے اُن کا واپس لینا بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ سب چیزیں عورت کو دینے کے بعد عورت کی ملکیت ہو گئیں۔

نکاح کی مجلس میں دولہا سے جو عہد و پیمان لیا جاتا ہے (کہ میں نے اتنے مہر کے عوض میں فلاں لڑکی سے نکاح منظور کیا) اُسے زیرِ نظر موقع پر عورتوں کی طرف سے "پختہ عہد" کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ گویا کہ حقیقت میں تمام عورتوں نے اپنے شوہروں سے از خود یہ عہد و پیمان لیا ہے۔ لہذا یہ ایفائے عہد مردوں کے لئے ضروری ہے اور اس کو توڑنا مرد کی شرافت اور اُس کی مردانگی کے خلاف ہے۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا قرآن مجید کا اسبابِ فراق سے مطلقاً کوئی بحث نہیں ہے۔ بلکہ وہ صورتِ واقعہ کو فرض کر کے اس سے متعلق صرف حکم بیان کر دینے پر اکتفا کرتا ہے۔ یہی بات یہاں پر (وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ = اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنا چاہو ...) میں بھی کہی گئی ہے۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کو اس اقدام پر مطلق کوئی اعتراض نہیں ہے۔ حالانکہ سیاقِ کلام کے لحاظ سے یہ درحقیقت ایک مسلسل سلسلے کا جز ہے، جو آیت ۱۹ سے شروع ہوا تھا۔

۲۔ عدّت کے احکام و مسائل

(۳) وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ

أَن يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۔ (بقرہ : ۲۲۸)

ترجمہ : اور طلاق دی ہوئی عورتیں (بطور عدت) اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں ۔ اور ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جو اللہ نے ان کے پیٹوں میں پیدا کیا ہے ، اگر وہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں ۔ (یعنی ایسی طلاق والی عورتوں کے لئے بچے کو چھپانا جائز نہیں ہے) ۔ اور ان کے خاوند اگر اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں تو وہ اس مدت میں ان کو لوٹا لینے کے زیادہ حقدار ہیں ۔ اور معروف طریقے سے عورتوں کے حقوق بھی ایسے ہی ہیں جس طرح کہ ان کے فرائض ہیں ، البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ فضیلت ہے ۔ اور اللہ غالب ، حکمت والا ہے ۔

شرعی احکام و مسائل

۳۰۔ طلاق والی عورت پر عدت کب نہیں ہے ؟

جب کسی عورت پر طلاق واقع ہو چکی ہو تو اب شرعی طور پر سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آیا مطلقہ عورت سے مباشرت کی جا چکی ہے یا نہیں ؟ اگر نہیں کی گئی ہے اور اسی طرح خلوت صحیحہ بھی نہیں ہوئی ہے (یعنی میاں بیوی تنہائی میں یکجا نہ ہوئے ہوں ، خواہ میاں نے بیوی کو ہاتھ لگایا ہو یا نہ لگایا ہو) تو اس صورت میں عورت پر سرے سے کوئی عدت نہیں ہے ۔ اس کا بیان ایک دوسری آیت (احزاب : ۴۹) میں کیا گیا ہے ، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے ۔

۳۱۔ طلاق والی عورت پر عدت کب واجب ہے ؟

اب یہ معاملہ ان مطلقہ عورتوں کا ہے جن سے یا تو مباشرت کی جا چکی ہو یا خلوت صحیحہ واقع ہو چکی ہو ، تو ایسی ہی عورتوں کا بیان زیر بحث آیت میں کرتے ہوئے ان کی عدت کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے کہ وہ تین حیض پورے ہونے تک انتظار کریں (جب کہ وہ حیض والی ہوں ، ورنہ اگر وہ غیر حیض والی ہوں تو ان کی عدت کا حساب دوسرا ہے ، جس کی تفصیل آگے سورۂ طلاق کی آیات میں آ رہی ہے) ، تاکہ اگر انہیں

حمل ٹھہر گیا ہو تو وہ اس دوران ظاہر ہو جائے اور نطفہ مخلوط ہونے کی بنا پر نسب کے تعین میں کسی قسم کی گڑبڑ کا اندیشہ نہ رہ جائے۔ اور حمل کے ظہور کے لئے اتنی مدت کافی ہے۔

۳۱ب۔ مطلقہ عورتوں کو اپنا حمل چھپانا جائز نہیں ہے

چونکہ حیض اور حمل کے مسائل عورتوں سے متعلق ہیں اور مردوں کو ان کی اطلاع صرف عورتوں ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے، بس لئے اس موقع پر عورتوں کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ معاملات صاف صاف ظاہر کر دیں اور اس بارے میں کسی بھی قسم کے تساہل یا مصلحت آمیزی سے کام ہرگز نہ لیں ورنہ اس سے ان کے ایمان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے [1]

۳۲۔ مرد کے لئے رجوع کا موقع کب تک باقی رہتا ہے ؟

آیت زیر بحث میں بیان طلاق رجعی کا ہو رہا ہے۔ یعنی جب کوئی مرد اپنی منکوحہ کو ایک یا دو طلاقیں دے دے تو اس سے نکاح فوری طور پر ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ عدت ختم ہونے تک باقی رہتا ہے۔ ایسی صورت میں مرد اگر اپنے فیصلے پر نظرثانی کرتے ہوئے مطلقہ کو پھر سے اپنی بیوی بنانے پر راضی ہو جائے تو وہ ایسا کر سکتا ہے اور اسے اس کا حق پوری طرح حاصل ہے۔ بلکہ ایسی صورت میں (بعد میں واقع ہونے والی شرمندگی سے بچنے کے لئے) ضروری ہے کہ وہ خوب اچھی طرح غور و خوض کر کے اپنے فیصلے پر نظرثانی کرے۔ اسی لئے شریعت نے اس کی نظرثانی کی پوری پوری گنجائش رکھی ہے۔ بلکہ اس کے لئے ایک سنہرا موقع فراہم کر دیا ہے کہ اگر اس نے پہلے غصہ کی حالت میں یا کسی فوری جذبہ کی وجہ سے جلد بازی میں کوئی اقدام کر دیا تھا تو اب وہ رشتۂ ازدواج پوری طرح ٹوٹنے سے پہلے رجوع کر لے تاکہ بعد میں اُسے پچھتانا نہ پڑے۔

تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ طلاق رجعی (ایک یا دو طلاقیں دینے) کی صورت میں مدخولہ عورت کو (جس سے مباشرت کی جا چکی ہو) عدت ختم ہونے سے پہلے لوٹا لینے کا حق باقی رہتا ہے، چاہے عورت اسے پسند کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ طلاق دینے اور رجوع کرنے کا اختیار شریعت نے صرف مرد کو عطا کیا ہے، عورت کو نہیں۔ اور اگر شوہر نے رجوع نہیں کیا یہاں تک کہ مطلقہ کی عدت گزر گئی تو اب وہ اس کے لئے

---

[1] ماخوذ از تفسیر قرطبی : ۳/۱۱۸

اجنبی بن چکی ہے اور اپنے معاملے کی آپ خود مختار ہے۔ پھر وہ اُس شخص کے لئے دوبارہ نئی منگنی، نئے نکاح و گواہ (اور نئے مہر) کے ساتھ حلال ہو سکتی ہے۔[۱]

۲۴۔ رجعت کا طریقۂ کار کیا ہے؟

طلاق دی ہوئی عورت کو عدت کے دوران لوٹا لینے کا طریقۂ کار کیا ہوگا؟ کیا زبان سے کہنا ضروری ہے (کہ میں نے تجھے لوٹا لیا یا اپنی دی ہوئی طلاق واپس لے لی) یا محض کسی عمل سے بھی رجوع ثابت ہو سکتا ہے؟ تو اس بارے میں علماء کے دو مسلک ہیں: (۱) پہلا مسلک یہ ہے کہ رجوع قولی طور پر ہونا ضروری ہے۔ (یعنی اپنی زبان سے کہنا پڑے) اس کے بغیر رجعت صحیح نہیں ہوگی۔ یہ امام شافعی کا قول ہے۔ (۲) دوسرا مسلک یہ ہے کہ رجوع قولی طور پر ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ مطلقہ (رجعیہ) سے مباشرت کرلے یا اُس کا بوسہ لے لے یا شہوت کے ساتھ اُسے چھولے تو ان تمام صورتوں میں رجعت ثابت ہو جائے گی۔ یہ امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل کا مسلک ہے۔[۲]

۲۵۔ کیا رجعت کے لئے گواہ بنانا ضروری ہے؟

نیز اس مسئلے میں بھی اختلاف ہے کہ رجعت کے موقع پر قرآن مجید میں دو گواہ مقرر کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ آیا واجب ہے یا محض مستحب؟ تو اس میں علماء کے دو گروہ ہوگئے ہیں: بعض کے نزدیک یہ حکم وجوب کے لئے ہے اور بعض کے نزدیک استحباب کے لئے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ اس سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر فُرقت (میاں بیوی کی جدائی یعنی طلاق) کے لئے بھی یہ بات واجب ہوتی۔ حالانکہ خود قرآن کہتا ہے ﴿أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾: بھلے طریقے سے انہیں جدا کردو) اور خود رجعت کے لئے دوسرے موقع پر فرمایا گیا ہے ﴿فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾: مطلقہ عورتوں کو یا تو بھلے طریقے سے روک لو یا پھر انہیں بھلے طریقے سے چھوڑ دو)۔[۳] لہٰذا معلوم ہوا کہ رجعت یا

---

[۱] ماخوذ از تفسیر قرطبی: ۱۲۰/۳

[۲] تفسیر طبری: ۲۹۸/۱

[۳] ایضاً ۲۹۸/۱ ـ ۲۹۹

رجعت کے لئے گواہ بنانا ضروری نہیں ہے۔ لیکن یہ بات چونکہ معاشرتی نقطۂ نظر سے زیادہ مناسب اور بہتر ہے اس لئے اس کے مستحب ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔

بہرحال تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ عدت ختم ہو جانے کے بعد طلاق دینے والا شخص عورت سے یوں کہے کہ میں نے عدت کے دوران تجھ سے رجوع کر لیا تھا، مگر عورت اس سے انکار کرے تو اس صورت میں حلف کے ساتھ عورت کی بات تسلیم کی جائے گی اور مرد کی بات کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔[۳۲]

۶۔ عورتوں کے حقوق بھی مردوں ہی کی طرح ہیں

طلاق اور عدت کے مسائل کے ضمن میں یہاں یہ ایک عام قاعدہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عورتوں کے جس طرح فرائض ہیں، اسی طرح ان کے حقوق بھی ہیں۔ یہ نہیں کہ ان کے ذمہ محض فرائض و واجبات ہی ہوں اور ان کا کوئی بنیادی حق ہی نہ ہو۔ البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ضرور دی گئی ہے، کیونکہ مرد عورتوں کے نگران اور ان کے قائد ہیں، جیسا کہ ایک دوسرے موقع پر اس کی تصریح اس طرح کی گئی ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا اَمْوَالِهِمْ : مرد عورتوں پر نگران ہیں کیونکہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس واسطے بھی کہ انہوں نے (مردوں نے عورتوں پر) اپنا مال خرچ کیا ہے۔ (نساء: ۳۴)

عورتوں کے حقوق کے بارے میں حدیثوں میں کافی تاکید ملتی ہے، مثلاً:

ایک حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے یوں فرمایا: تم جب کھاؤ تو اپنی عورت کو بھی کھلاؤ۔ جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ۔ اس کے منہ پر مت مارو۔ اسے برا بھی مت کہو اور اگر (کسی وجہ سے) اس کا بستر الگ کرو تو اپنے ہی گھر میں کرو۔[۳۳] یعنی اپنے گھر کے علاوہ اسے کہیں اور نہ سلاؤ۔

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

---

[۳۲] تفسیر قرطبی ۱۲۲/۳

[۳۳] ابوداؤد کتاب النکاح ۲/۲۰۶، ابن ماجہ کتاب النکاح ۱/۵۹۳

عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ کیونکہ تم نے انہیں اللہ کے امان میں لیا ہے۔ اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ کے کلمہ (نکاح کے بول) کے ذریعہ حلال کیا ہے۔ تمہارا اُن پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر اُن لوگوں کو نہ بٹھائیں جو تمہاری نظروں میں ناپسندیدہ ہوں۔ اگر وہ ایسا کریں تو انہیں بطور سزا ہلکی مار مارو۔ اور ان کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کے کھانے اور کپڑے کا بہتر طریقے سے انتظام کرو۔[50]

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کے اعتبار سے کامل ترین مومن وہ ہے جو بہترین اخلاق کا حامل ہو۔ اور تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والے ہوں۔[51]

(۵) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۔ (احزاب : ۴۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انہیں چھونے (صحبت کرنے) سے پہلے ہی طلاق دے دو تو تمہارے لئے اُن پر کوئی عدت نہیں ہے کہ تم ان کی گنتی پوری کرنے لگو۔ لہٰذا انہیں کچھ تحفہ دے کر اچھی طرح سے رخصت کر دو۔

شرعی احکام و مسائل

۳۷۔ غیر مدخولہ عورت پر عدت نہیں ہے

اوپر مذکور سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۸ میں اُن عورتوں کی عدت کا بیان تھا جن سے نکاح کے بعد مباشرت کی جا چکی ہو۔ اب یہاں پر ایسی مطلقہ عورتوں کا بیان ہو رہا ہے جن سے نکاح کے بعد مباشرت یا خلوت صحیحہ واقع ہونے سے پہلے ہی کسی وجہ سے طلاق ہو گئی ہو۔

یہ پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کو اس قسم کے مسائل میں اسباب و محرکات سے کوئی

---

۵۰ صحیح مسلم، بحوالہ تفسیر مظہری ۱/۲۹۹

۵۱ ترمذی، بحوالہ تفسیر مظہری ۱/۲۹۹

بحث نہیں ہے۔ چونکہ معاشرے میں ایسے واقعات پیش آسکتے ہیں لہٰذا ان سے نپٹنے کے لئے ایک ابدی شریعت میں ان کا حل موجود رہنا ضروری ہے۔ ورنہ دینِ الٰہی کی ابدیت پر حرف آسکتا ہے۔ اس لئے شریعت کے ابدی نصوص میں ہر اہم مسئلے کی وضاحت بطورِ مثال کر دی گئی ہے۔

غرض وہ مطلقہ عورت جس کو ہاتھ نہ لگایا گیا ہو اُس پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے۔ اور یہ بات قرآن مجید کی تصریح اور اُمت کے اجماع (متفقہ فیصلے) سے ثابت ہے۔ اسی طرح اس بات پر بھی اُمت کا اجماع ہے کہ وہ منکوحہ جسے ہاتھ لگایا جا چکا ہو اُس پر عدت واجب ہے۔[1]

۳۸۔ مطلقہ غیر مدخولہ کو کچھ تحفہ دینا چاہئے

اس آیت کریمہ کی رُو سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسی عورتوں کو جن کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی کسی وجہ سے طلاق ہو جائے تو ان کی دلجوئی کی غرض سے انہیں کچھ چیزیں بطور تحفہ دینا چاہئے تاکہ اُن کی جو دل شکنی ہوئی ہے اُس کا ایک حد تک ازالہ ہو جائے۔ ایسے تحفے کو اسلامی اصطلاح میں "متعۂ طلاق" یعنی طلاق کا تحفہ کہا جاتا ہے۔ اکثر علماء کا کہنا ہے کہ تحفۂ طلاق ہر قسم کی مطلقہ عورتوں کو دینا بہتر (مستحب) ہے، جبکہ وہ صرف ایک مطلقہ کے لئے واجب ہے۔ یعنی وہ مطلقہ جس کا مہر پہلے سے مقرر نہ ہوا اور اُسے ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دی جا چکی ہو۔ اس مسئلے کی تفصیل اُوپر مذکور سورۂ بقرہ کی آیات ۲۳۶ ـ ۲۳۷ کے تحت پیش کی جا چکی ہے۔

(۶) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ ۖ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِن بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ‎(١) فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا

---

[1] تفسیر قرطبی ۲۰۲/۱۴

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (۳) وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ ۚ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا (۴) ذَٰلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنْزَلَهُ إِلَيْكُمْ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا (۵) أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۖ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ ۖ وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ (۶) لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ ۖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا (۷)۔

ترجمہ: اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دو تو اُن کی عدت کے وقت (گنتی کے شروع میں) طلاق دو اور (ٹھیک حساب کے لئے) عدت کو یاد رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے۔ ان عورتوں کو (اُن کے رہنے کے) گھروں سے مت نکالو، اور وہ خود بھی نہ نکلیں مگر ہاں جب وہ کھلم کھلا کوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں۔ یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں (احکام و ضوابط) ہیں (تو اب) جو شخص اللہ کی حدوں سے آگے بڑھا تو اُس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ تمہیں کیا معلوم، ہو سکتا ہے کہ اللہ (طلاق دینے کے بعد تمہارے دل میں) کوئی نئی بات پیدا کر دے (۱)۔ پھر جب مطلقہ عورتیں اپنی عدت (گزرنے کے قریب) پہنچ جائیں تو پھر انہیں یا تو قاعدے سے رکھ لو یا قاعدے کے مطابق انہیں جدا کر دو۔ اور اس پر اپنے میں سے دو معتبر آدمیوں کو گواہ بنا لو اور اللہ کے لئے (اُس کا حکم ادا کرتے ہوئے) گواہی ٹھیک ٹھیک دو۔ یہ بات بطور نصیحت اُن سے کہی جا رہی ہے جو اللہ اور روزِ قیامت پر یقین رکھتے ہوں۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا تو وہ اُس کے لئے چھٹکارا کا راستہ نکال دے گا (۲)۔ اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے گا تو وہ اُس کے لئے کافی ہوگا۔ یقیناً اللہ اپنی بات پوری کر کے رہے گا۔ اللہ نے ہر چیز کا ایک (طبعی و شرعی) ضابطہ مقرر کر دیا ہے (۳)۔ اور تمہاری جو عورتیں

جن کو حیض کی اُمید نہ رہی ہو، اگر تمہیں اُن کے بارے میں شبہ ہو تو اُن کی عدت تین مہینے ہے، اور اُن کی بھی جن کو ابھی حیض نہیں آیا، اور حمل والی عورتوں کی عدت اُن کے بچہ جننے تک ہے۔ اور جو اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اُس کے کام کو آسان کر دے گا (۴)۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اُس نے تم پر اُتارا ہے۔ اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اُس کی برائیوں کو دور کر دے گا اور اُس کے لئے اجر کو بڑا دے گا (۵)۔ طلاق دی ہوئی عورتوں کو اپنی حیثیت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو۔ اور (عدت کے دوران) انہیں تنگ کرنے کی غرض سے تکلیف نہ دو۔ اگر وہ حاملہ ہوں تو انہیں خرچہ دو جب تک کہ اُن کا حمل وضع نہ ہو جائے، پھر اگر وہ (عدت کے بعد تمہارے بچوں کو) دودھ پلائیں تو اُن کی اُجرت انہیں دے دو۔ اور آپس میں مناسب طریقے سے مشورہ کر لو۔ اور اگر تم (اُجرت مقرر کرنے کے معاملے میں) آپس میں تنگی کرنے لگ جاؤ تو اُس وقت کوئی دوسری عورت اُسے دودھ پلائے گی (۶)۔ وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے، اور جو تنگدست ہے وہ وہی خرچ کرے جو کچھ اللہ نے اُسے دیا ہے۔ اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اتنی ہی جتنی کہ اُس نے دے رکھی ہے۔ عنقریب اللہ تنگی کے بعد آسانی پیدا کر دے گا (۷)۔ سورۂ طلاق

شرعی احکام و مسائل

۱۳۳۔ طلاق کا سُنّت طریقہ کیا ہے؟

پہلی آیت میں خطاب لفظاً اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر وہ عام ہے اور مراد پوری اُمت ہے۔[۵۳]

"طلاق عدت کے وقت دو!" اس کا مطلب جیسا کہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ طلاق عورت کی پاکی کی حالت (طُہر) میں دی جائے۔ کیونکہ حیض کی حالت میں عورت کو طلاق دینا حرام ہے۔ چنانچہ متعدد حدیثوں میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں آگئے اور حکم دیا کہ وہ اس طلاق کو واپس لے لیں پھر طُہر کی حالت میں دوبارہ طلاق دیں، اگر دینا ضروری ہو۔ نیز آپ نے ابن عمرؓ سے مزید فرمایا کہ اللہ نے عورتوں کو اسی طرح طلاق دینے کا حکم

---

۵۳ تفسیر روح المعانی ۲۸/۱۲۸، تفسیر مظہری ۹/۳۱۶

نہیں دیا ہے اور تم نے طلاق کے سنت طریقے کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔

اس معنی کی کئی حدیثیں صحابہ سے (حدیث کی چھ) کتابوں اور دیگر کتب حدیث میں مذکور ہیں جن میں خود ابن عمرؓ نے اس آیت کریمہ کی وضاحت اس طرح کی ہے:

فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ. أَيْ فِي قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ: تم انہیں عدت میں طلاق دو، یعنی ایک وقت میں جب کہ عورت کی عدت شروع ہوتی ہے، وہ طہر کی مدت ہے۔[19]

فِي قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ - وَقَالَ السُّيُوطِيُّ: أَيْ إِقْبَالِهَا وَوَقْتِ وُجُوبِ تَمَكُّنِهَا الدُّخُولَ فِيهَا وَالشُّرُوعَ - وَذَلِكَ حَالَ الطُّهْرِ[20] علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عدت کا شروع اور اول حصہ ہے جس میں عورت سے صحبت ممکن ہوتی ہے، اور وہ طہر کی مدت ہے۔ مطلب یہ کہ طہر کی حالت سے عدت کا آغاز ہوتا ہے، یعنی عورت کی عدت شروع ہوتی ہے۔ لہٰذا طلاق طہر کی حالت میں ہونی چاہئے۔ مگر اس مسئلے میں دوسری شرط یہ ہے کہ مرد جس طہر میں طلاق دے رہا ہے اس میں وہ عورت سے صحبت نہ کرے، ورنہ یہی طلاق بھی "بدعت" ہونے کی بنا پر حرام ہوگی۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے: طَلَاقُ السُّنَّةِ أَنْ يُطَلِّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ وَهِيَ طَاهِرٌ فِي غَيْرِ جِمَاعٍ: عدت کے وقت طلاق دینے کا مطلب یہ ہے کہ مرد اپنی عورت کو پاکی کی حالت میں بغیر صحبت کئے طلاق دے۔[21]

غرض علماء کا اس پر اجماع (اتفاق) ہے کہ حائضہ (حیض والی عورت) کو یا اس پاکی کی حالت میں طلاق دینا حرام ہے جس میں وہ بیوی سے مباشرت کر چکا ہو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے[22] جیسا کہ یہ بات حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہوئی حدیثوں سے ثابت ہوتی ہے۔

---

[19] شرح معانی الآثار (طحاوی) ۲/۳۰، مطبوعہ کراچی

[20] شرح نسائی از علامہ سیوطی ۶/۱۳۹ مطبوعہ بیروت

[21] کتاب المغنی، ابن قدامہ مقدسی ۷/۹۷، مکتبہ علمیہ (بیروت)

[22] تفسیر مظہری ۱/۳۰۸

اور یہ کو مسئلہ اس طلاق حائضہ (حیض والی) سے متعلق ہے جس سے مباشرت کی جا چکی ہو۔ اس کے برعکس وہ مطلقہ حائضہ جس سے مباشرت نہ کی گئی ہو اسے طہر اور حیض دونوں حالتوں میں بھی طلاق دی جا سکتی ہے۔ نیز اسی طرح نابالغ بیوی جس کو حیض بالکل ہی نہ آتا ہو اسے بھی جب چاہے طلاق دی جا سکتی ہے۔ اور اسی طرح آئسہ (عمر رسیدہ عورت جسے حیض ہی نہ آتا ہو) اُسے مباشرت کے بعد بھی طلاق دی جا سکتی ہے۔[۹۲]

۳۰۔ طلاق کے چند اہم ضوابط

سُنن دارقطنی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ طلاق کی (وقت کے اعتبار سے) چار صُورتیں ہیں، جن میں سے دو حلال اور دو حرام ہیں۔ حلال اس صورت میں ہوگی جب کہ عورت: (۱) طاہر ہو یعنی حیض کی حالت میں نہ ہو، نیز اُس طہر میں عورت سے مُباشرت بھی نہ کی ہو (۲) یا وہ حاملہ ہو اور اُس کا حمل پوری طرح ظاہر ہو چکا ہو۔

اور طلاق کے حرام ہونے کی دو صورتیں یہ ہیں: (۱) عورت حیض کی حالت میں ہو۔ (۲) یا ایسے طہر کی حالت میں ہو جس میں اُس سے مُباشرت بھی کر چکا ہو اور اُسے یہ نہ معلوم ہو کہ حمل ٹھہر گیا ہے یا نہیں؟[۹۳]

مطلب یہ کہ جب یہ بات وُثوق سے معلوم ہو جائے کہ عورت کو حمل ٹھہر گیا ہے تو اُس وقت اُسے صحبت کے بعد بھی طلاق دی جا سکتی ہے۔ کیونکہ حاملہ عورت حیض کی حالت میں نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس میں طلاق بدعت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

"عدت گنتے رہو" یعنی جب طلاق واقع ہو جائے تو فوراً اس بات کی تحقیق کرلو کہ طلاق کس حالت میں ہوئی ہے اور طہر کب شروع ہوا ہے؟ پھر اس کے بعد ٹھیک ٹھیک حساب رکھتے ہوئے تین مکمل حیض شمار کرلو۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ رجعت (شوہر کا رُجوع کرنا) عدت ختم ہونے کے بعد ہو (جب کہ شوہر تاخیر سے رُجوع کرتا ہو) یا دوسرا نکاح غلطی سے عدت ختم ہونے سے پہلے ہی ہو جائے۔ اور یہ دونوں

---

[۹۲] تفسیر مظہری ۹/ ۳۱۸

[۹۳] تفسیر قرطبی ۱۸/ ۱۵۱

باتیں شریعت کی رُو سے جائز نہیں ہیں۔[10]

۴۱۔ عدت شوہر کے گھر میں گزارنا واجب ہے

"اور تم مطلقہ عورتوں کو اُن کے گھروں سے مت نکالو"۔ مطلقہ عورت کو خواہ اُسے طلاق رجعی دی گئی ہو یا طلاق بائن، کسی بھی صورت میں طلاق کے فوراً بعد گھروں سے نہیں نکالنا چاہئے (جیسا کہ آج کل کے جہلاء کا طریقہ ہے اور ایسا کرنا بالکل حرام ہے) شریعت نے واجب قرار دیا ہے کہ مطلقہ عورتیں اپنی عدت شوہروں کے گھروں میں یا جس مقام پر اُن کی مستقل بودوباش رہتی ہو وہیں پر گزاریں۔ کیونکہ طلاق رجعی ہونے کی صورت میں شوہر کو رجوع کرنے کا حق باقی رہتا ہے اور بائن ہونے کی صورت میں عورت کے حاملہ ہونے یا نہ ہونے کا پتہ چل سکتا ہے۔ اور یہ دونوں فوائد عورت کے اخراج کی صورت میں حاصل نہیں ہوسکتے۔ بلکہ اس کے برعکس بہت سی خرابیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ لہٰذا ان تمام خرابیوں کو دُور کرنے کی غرض سے شریعت نے عدت مرد کے گھر میں گزارنے کا حکم دیا ہے۔ چونکہ طلاق والی عورت شوہر کے بعض حقوق کی بنا پر عدت کے ایام میں شوہر کے گھر میں مقیم رہتی ہے، اس لحاظ سے اس کے شوہر کا گھر گویا کہ اُس کا "اپنا ہی گھر" ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ تاکید کر رہا ہے کہ اس عدت کے پوری ہونے تک انہیں "اپنے گھروں" سے مت نکالو۔

"اور طلاق یافتہ عورتیں خود بھی باہر نہ نکلیں"۔ یعنی مطلقہ عورتیں خود بھی اپنے اختیار سے شوہروں کے گھروں سے باہر نہ نکلیں، چاہے اُنہیں طلاق رجعی دی گئی ہو یا بائن۔ ہاں اگر کسی ضرورت (مجبوری) کے تحت ہو تو جائز ہے۔ مثلاً جس گھر میں وہ رہتی ہوں اُس کے منہدم ہو جانے کا خطرہ ہو، یا چوری کا خوف ہو، یا مکان کا کرایہ نہ ہو یا جگہ کی تنگی ہو، یا شوہر فاسق اور طلاق بائن ہو اور ان دونوں کے درمیان حائل ہونے والا کوئی نادر شخص موجود نہ ہو۔ وغیرہ۔[11]

"ہاں اگر مطلقہ عورتیں کسی کھلی ہوئی بے حیائی کا ارتکاب کر بیٹھیں تو اور بات ہے"۔ یعنی کسی طلاق یافتہ عورت کو عدت کے دوران شوہر کے گھر سے باہر نکالنا صرف اُس وقت جائز ہو سکتا ہے جب کہ اُس سے کوئی

---

[10] ماخوذ از تفسیر مظہری ۹/۳۱۶
[11] تفسیر مظہری ۹/۳۱۸

کھلی بے حیائی سرزد ہو جائے۔ کھلی بے حیائی سے کیا مراد ہے؟ تو اس کی تفسیر میں کئی باتیں منقول ہیں۔ مثلاً: زنا، زبان درازی، چوری، نافرمانی یا بلا ضرورت گھر سے باہر نکلنا وغیرہ[۴۴]

۴۳۔ طلاقِ رجعی میں ندامت نہیں ہوتی

"تمہیں کیا معلوم، ہو سکتا ہے اللہ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دے" یعنی دلوں کو بدل دے کیونکہ وہ مقلب القلوب ہے۔ چنانچہ ہو سکتا ہے کہ اس دوران عورت کے ساتھ بغض کو محبت میں بدل دے جس کے باعث وہ رجوع کر کے مطلقہ کو پھر سے بیوی بنانے پر راضی ہو جائے۔ اس میں تعلیم ہے کہ بیوی کو ہر حال میں طلاقِ رجعی دی جائے۔ ورنہ بیک وقت تین طلاق واقع ہونے کے بعد تلافی مافات کی امید نہیں رہ جاتی سوائے حلالے کے جو ایک معیوب بات ہے۔[۴۵]

۴۴۔ عدت میں ہیر پھیر کرنا جائز نہیں ہے

"جب مطلقہ عورتوں کی عدت ختم ہونے کے قریب ہو جائے تو پھر انہیں یا تو قاعدے سے روک لو یا قاعدے کے مطابق جدا کر دو" (آیت ۲)۔ مطلب یہ کہ جب عدت ختم ہونے کے قریب پہنچ جائے تو چونکہ اب جدائی کا وقت قریب آ گیا ہے۔ لہذا ایسے فیصلہ کن موقع پر مرد کو چاہئے کہ وہ وقتی جذبات و کیفیات کو ترک کر کے کسی قطعی فیصلے تک پہنچ جائے۔ اور اس وقت اس کے سامنے صرف دو ہی راستے رہ جاتے ہیں: (۱) یا تو وہ سیدھے طریقے سے رجوع کر لے اور مطلقہ کو پھر سے اپنی بیوی بنا کر رکھے (۲) یا پھر شرافت اور حسنِ اخلاق کے ساتھ اسے رخصت کر دے۔ مگر اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ مطلقہ کو نقصان پہنچانے کی غرض سے کوئی حرکت کر بیٹھے۔ مثلاً رجوع تو کر لے مگر اسے خواہ مخواہ تنگ کرنے کی غرض سے دوبارہ طلاق دے دی۔ یا عدت گزرنے کے بعد (یا اس سے پہلے) اسے ذلیل و خوار کر کے گھر سے نکالا وغیرہ۔ بلکہ اسے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے رخصتی کے وقت بطور تحفہ کچھ چیزیں دے کر اچھے طریقے سے رخصت کرنا چاہئے۔[۴۶]

---

[۴۴] خلاصہ از تفسیر قرطبی ۱۰/۵۶۔
[۴۵] ایضاً (ماخوذ)
[۴۶] خلاصہ تفسیر

۴۴۔ رجعت میں گواہ بنانا واجب کیوں نہیں ہے؟

"اور اس پر اپنے میں سے دو معتبر آدمیوں کو گواہ بنا لو۔" (آیت ۲)۔ اکثر علماء کے نزدیک رجعت کے لئے گواہ بنانا مستحب ہے واجب نہیں [ثث]۔ چونکہ طلاق دینے کی صورت میں گواہ بنانا متفقہ طور پر واجب نہیں ہے، لہٰذا جو رجعت کے لئے بھی واجب نہیں ہونا چاہئے [لث]۔ لیکن چونکہ بعض صورتوں میں اختلاف ہو سکتا ہے، اس لئے ایسی حالت میں دو معتبر مسلمانوں کو گواہ بنا لینا زیادہ بہتر ہے، تاکہ بعد میں جھگڑا پیدا نہ ہو۔

۴۵۔ طلاق غصہ اتارنے کی چیز نہیں ہے

"جو شخص اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لئے بچاؤ کا کوئی راستہ نکال دے گا۔" (آیت ۲)۔

اس میں یہ اخلاقی تعلیم دی گئی ہے کہ ایک مسلمان کو معمولی یا غیر معمولی کسی بھی حال میں حسن اخلاق اور حسن معاشرت کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہئے۔ بلکہ ہر حال میں خوف خدا اور خوف آخرت ہونا چاہئے۔ کسی واقعہ یا کسی بات پر اسے اس قدر مشتعل نہیں ہو جانا چاہئے کہ وہ عقل و حواس کھو کر جذبات کا غلام بن جائے۔ اور اپنی رفیقۂ حیات کو یک وقت تین طلاق دینے کی حماقت کر بیٹھے۔ کیونکہ دین تو طلاق بجائے خود کوئی غصہ نکالنے والی چیز یا انتقامی کاروائی نہیں ہے، بلکہ وہ شدید مجبوری کی حالت میں میاں بیوی کو جدا کرنے کا آخری چارۂ کار اور آخری ذریعہ ہے۔ لہٰذا جو چیز آخری فارمولا اور آخری حل ہو اسے پہلے ہی مرحلے میں استعمال کر بیٹھنا ایک غیر دانشمندانہ اقدام ہے۔ اور پھر یک وقت تین طلاق دینا تو ملاپ کے سارے دروازے فوری بند کر لینا ہے۔ بہرحال شریعت نے جس چیز کو مد نظر رکھا ہے اُسے تو اُس وقت کسی کے دل میں اگر واقعی خدا کا ڈر ہو تو وہ ایسا انتہائی قدم ہرگز نہیں اٹھائے گا۔ اور اگر اٹھائے گا تو شریعت کے مقرر کردہ حدود کے اندر اٹھائے گا۔ لہٰذا خوف خدا کا تقاضا ہے کہ کوئی بھی شخص یک وقت تین طلاق دے کر انتہائی قدم نہ اٹھائے اور اپنے آپ پر ظلم نہ کرے، بلکہ مسنون طریقے کے مطابق صرف

[ثث] تفسیر قرطبی ۱۸/۱۵۸

[لث] ماخوذ از تفسیر مظہری ۹/۳۲۰

ایک طلاق دے۔ اس صورت میں دوبارہ ملاپ کی گنجائش موجود رہتی ہے۔ اور اگر اللہ چاہے گا تو ملاپ کا کوئی راستہ نکال دے گا۔

اس آیتِ کریمہ کا تقاضا یہ ہے کہ جب کسی کو طلاق دینا اشد ضروری ہو جائے تو اس صورت میں وہ صرف ایک طلاق دے، تاکہ دوبارہ ملاپ کا دروازہ بند نہ ہو۔

۳۶۔ تین طلاق کا ثبوت قرآن سے

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ (جو شخص اللہ سے ڈرے گا ....) طلاق کے ساتھ خاص ہے[۱]۔ چنانچہ ابوداؤد میں مجاہد سے روایت ہے کہ ایک شخص ابن عباسؓ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ (لہٰذا اس بارے میں آپ کیا فتویٰ دیتے ہیں؟) راوی حدیث کہتے ہیں کہ آپ (کچھ دیر) خاموش رہے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ آپ اس کی بیوی کو لوٹا دیں گے مگر آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص حماقت کر بیٹھتا ہے، پھر کہتا پھرتا ہے کہ اے ابن عباس! اے ابن عباس! (تو تم اپنی طرح کان کھول کر سن لو) اللہ نے فرمایا ہے: "جو شخص اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لئے بچاؤ کا راستہ نکال دے گا" مگر تم اللہ سے نہیں ڈرے۔ (بلکہ اس کے حکم کی خلاف ورزی کی) لہٰذا میں تمہارے لئے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں پاتا۔ تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تمہاری بیوی تم سے جدا ہو گئی۔ حالانکہ اللہ نے فرمایا ہے: (یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ)[۲] "اے نبی جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے موقع پر (یعنی گنتی کے شروع میں طلاق دو)۔"

بیک وقت دی ہوئی تین طلاق کے واقع ہو جانے پر یہ ایک قطعی اور مسکت دلیل ہے جس میں کسی قسم کے قیل و قال کی گنجائش نہیں ہے۔ مگر اس طرح کرنا سخت گناہ کی بات ہے، کیونکہ وہ خدا کی نافرمانی کا باعث ہے۔ ایک مسلمان جسے خدا اور آخرت کا خوف ہو اس کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ سنت رسول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بیک وقت تین طلاق دے کر صرف دینی و شرعی اعتبار سے گنہگار ہو

---

[۱] تفسیر قرطبی ۱۸/۱۵۹

[۲] سنن ابوداؤد ۶۴۷/۲

بلکہ دنیوی اعتبار سے بھی مصیبت مول لے۔ کیونکہ اس قسم کا سخت اقدام اکثر و بیشتر خرابیٔ معاشرت اور فسادِ تمدن کا باعث بنتا ہے۔ اور اس سے معاشرے میں مرد کی بڑی سبکی و رسوائی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس قسم کا انتہائی قدم اٹھانے سے پہلے خوب اچھی طرح سوچ سمجھ لینا چاہئے اور طلاق کو کسی بھی صورت میں ایک کھیل یا مذاق نہیں بنانا چاہئے۔

۴۷ - مختلف عورتوں کی عدت مختلف ہے

اوپر مذکورہ آیات ۱-۳ میں بیان حیض والی عورتوں کا چل رہا تھا۔ اور اب آیت ۴ میں ان عورتوں کا بیان ہو رہا ہے جن کو حیض نہیں آتا۔ اور ان میں تین قسم کی عورتیں شامل ہیں: (۱) عمر رسیدہ یا وہ عورتیں جن کو کسی علت کی بنا پر حیض نہ آتا ہو (۲) نابالغ لڑکیاں (۳) حاملہ عورتیں۔ تو پہلی دو قسم کی عورتوں کی عدت تین قمری مہینے ہے۔ اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔ اس طرح منطقی اعتبار سے ان آیات میں ہر قسم کی مطلقہ عورتوں کی عدت بیان کر دی گئی ہے۔

۴۸ - کم سن لڑکی کا نکاح جائز ہے

نیز اس آیت (۴) کی رو سے ایک اور ضمنی مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ اسلامی شریعت کی رو سے کم سن یعنی نابالغ لڑکی کا نکاح بالکل درست ہے۔ کیونکہ اس آیت میں ایسی لڑکیوں کی عدت کا بیان موجود ہے جن کو ابھی حیض نہ آتا ہو۔ (وَالّٰٓـئِیْ لَمْ یَحِضْنَ) اور ایسی لڑکیاں عدت بھی گزار سکتی ہیں جب کہ ان کا نکاح بالغ ہونے سے پہلے ہو چکا ہو۔ اسی حکم الٰہی کو ثابت کرنے کے لئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے نکاح کم سنی کی حالت میں کیا تھا جیسا کہ صحاح ستہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اور فقہاء نے اس حکم الٰہی اور سنت رسول کے پیش نظر اس باب میں تفصیلی مسائل و ضوابط وضع کئے ہیں۔

۴۹ - مطلقہ عورتوں کو عدت کے دوران جائے رہائش

" مطلقہ عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو اور انہیں تنگ کرنے کی غرض سے تکلیف نہ دو" یعنی عدت کے دوران ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق طلاق شدہ عورت کو رہنے کی جگہ (مسکن) اور دیگر لوازمات فراہم کرے اور مطلقہ کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائے نہ زبانی و قولی طور پر طعن و

تشنیع کرسکے اور نہ ہی ان کی ضروریات فراہم کرنے میں تنگی کرسکے۔ بلکہ جس طرح ایک رخصت ہونے والے مہمان کا اعزاز و اکرام کیا جاتا ہے اسی طرح مطلقہ عورتوں کو بھی اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کی مہمان نوازی کرکے انہیں رخصت کرنا چاہیے۔ اور معاملے کو اللہ کے حوالے کر دینا چاہیے۔ کیونکہ وہ ہر حال میں حسنِ اخلاق کی حق ہیں۔

اس سلسلے میں ایک ضروری مسئلہ یہ ہے کہ اگر مطلقہ بائنہ ہے (چاہے اُسے ایک طلاق دی گئی ہو یا تین) تو اب چونکہ نکاح ٹوٹ چکا ہے اس لئے ایسی عورت کو عدت کے دوران اپنے سابق شوہر سے پردہ کرنا چاہیے۔ ہاں اگر طلاق رجعی ہے تو پھر پردہ کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ نکاح ابھی باقی ہے۔[۳۳]

۵۰ ـ مُطلقہ عورتوں کو نفقۂ عدت دیا جائے

"اگر مطلقہ عورتیں حاملہ ہیں تو انہیں نفقہ (خرچہ) اُس وقت تک دیتے رہو جب تک کہ اُن کا حمل وضع نہ ہو جائے۔" (آیت ۶)۔ چنانچہ پوری اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حمل والی مطلقہ کا نفقہ اور مسکن (جائے رہائش) وضع حمل تک طلاق دینے والے شخص کے ذمہ واجب ہے۔ اسی طرح جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو اور وہ حاملہ نہ ہو تو اس کا نفقہ و مسکن بھی باتفاقِ اُمت واجب ہے۔ اب رہی وہ مطلقہ جس کو طلاقِ بائن دی گئی ہو یا جسے تین طلاق دی گئی ہو یا جس نے خلع حاصل کر لیا ہو تو اس بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ ایسی مطلقہ عورتوں کو بھی نفقہ اور جائے رہائش عدت کے دوران ملنے ہیں یا نہیں؟ تو حنفی مسلک کے مطابق ہر قسم کی طلاق والیوں کے لئے نفقہ اور جائے رہائش ضروری و واجب ہے۔[۳۴]

۵۱ ـ دودھ پلائی کی اُجرت کب ضروری ہوگی؟

"پھر اگر وہ تمہارے (بچوں) کے لئے دودھ پلائیں تو تم انہیں اُن کا معاوضہ دے دو۔" (آیت ۶)۔ اس خدائی حکم سے صاف صاف اس حقیقت پر روشنی پڑ گئی کہ وضع حمل سے پہلے میاں بیوی کے درمیان جو "تھوڑا بہت" رشتہ باقی تھا وہ بھی پوری طرح ٹوٹ چکا ہے۔ اور اب مطلقہ عورت عدت

---

[۳۳] و [۳۴] ماخوذ از تفسیر معارف القرآن، مفتی محمد شفیع، ۸/ ۳۸۹ — ۳۹۰

گزر جانے کے بعد طلاق دینے والے کے لئے بالکل اجنبی بن چکی ہے؎ اور بچے کو دودھ پلانے کی اُجرت دینا اس کی واضح دلیل ہے۔ ظاہر ہے کہ رشتۂ نکاح باقی ہونے کی صورت میں دودھ پلانے کی اُجرت دینا ایک بے معنی بات ہے۔ کیونکہ شریعت میں ایک ایسے کام کے لئے جو شرعی اعتبارات بطور وظیفہ عائد ہوتا ہو اُس پر کسی قسم کا معاوضہ یا اُجرت لینا جائز نہیں ہے؎ نتیجہ یہ کہ موجودہ دور میں جن لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ عدت گزر جانے کے بعد بھی اسلامی شریعت کی رُو سے مرد اور عورت بالکل اجنبی نہیں بن جاتے، یا عدت گزر جانے کے بعد بھی مرد کے ذمہ نفقہ دینا ضروری ہے جیسا کہ مغربی قوانین میں رواج ہے وغیرہ، تو اس قسم کے دعوے غلط اور بے بنیاد ہیں، جو اسلامی شریعت کے خلاف ہیں؎

۵۲ ـ بچے کا نفقہ باپ کے ذمہ ہوگا

آخری آیت (۷) سے دو اہم مسئلے ثابت ہوتے ہیں جو یہ ہیں: (۱) نفقہ مرد کی حیثیت کے مطابق ہوگا۔ یعنی شوہر اگر امیر ہے تو بیوی کو بھی امیرانہ نفقہ ملے گا۔ اور اگر غریب ہے تو بیوی کو غریبانہ طور پر نفقہ ملے گا، خواہ بیوی کی حالت کیسی ہی ہو؎ (۲) بچے کا نفقہ باپ پر عائد ہوتا ہے ماں پر نہیں؎

۵۳ ـ مسلمان احکامِ الٰہی سے روگردانی نہ کریں

ان آیات میں جگہ جگہ اللہ سے ڈرنے اور اس کی حکم عدولی سے بچنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ چونکہ طلاق و عدت کا معاملہ ایسا ہے جس میں عام طور پر بے اعتدالیاں ہوتی ہیں اور آدمی اکثر و بیشتر ہٹ دھرمی پر اُتر آتا ہے۔ اس لئے موقع کی مناسبت سے پُر اثر انداز میں لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اس قسم کے معاملات میں اللہ سے ڈرتے رہیں اور روزِ جزا کا لحاظ کرتے رہیں، باہم ظلم و زیادتی کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آنے سے باز آئیں۔ نیز اسی طرح جگہ جگہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے

؎ و ؎ دیکھئے ہدایہ (اخرین) ص ۴۲۳ ـ ۴۲۵

؎ اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لئے راقم سطور کی کتاب "شریعتِ اسلامیہ کی جامعیت: نقد و عقلی دلائل" دیکھنی چاہئے۔

؎ تفسیر طبری ۹/۱۳۱

؎ تفسیر قرطبی ۱۸/۱۶۲

انہوں نے مطلقہ عورتوں کے ساتھ شریفانہ رویہ اختیار کریں گے اور خدا کے حکموں کے مطابق اُن کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے رزق کو کشادہ بھی کرے گا اور ان کی مشکلات کو دور کرنے کے لئے بہتر سے بہتر حل بھی نکالے گا۔ لہٰذا ایک مسلمان کو کسی بھی صورت میں احکامِ الٰہی سے روگردانی کرتے ہوئے تہذیب و اخلاق اور شرافت کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے۔ اس اعتبار سے یہ ہدایتیں شرعی احکام اور اخلاقی ضوابط دونوں پر مشتمل ایک بہترین مجموعہ اور بہترین گلدستہ جات کی حیثیت رکھتی ہیں جن پر عمل کرکے مسلمان دین و دنیا دونوں کی سعادتوں سے مالا مال ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ چونکہ تمام مخلوقات کا خالق اور پروردگار ہے، اس لئے اس کے احکام ہر مخلوق اور ہر انسان کے مناسبِ حال ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہر ذی مخلوقات کی فطرت اور ان کی ساخت سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔ اور اسی بنا پر وہ ہر مخلوق اور ہر انسان کو اس کی فطرت اور اس کی ساخت کے مطابق احکام دیتا ہے۔ اور کسی پر ضرورت سے زائد بوجھ نہیں ڈالتا، جیسا کہ زیرِ نظر آیات میں سے آخری آیت اس مسئلے پر روشنی ڈال رہی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کو خالق اور ربّ (پروردگار) تسلیم کرنے کا تقاضا ہے کہ اس کے حکموں پر بے چون و چرا عمل کیا جائے۔ اور کسی بھی حال میں اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ ورنہ حکم عدولی کی صورت میں نافرمانوں کا انجام بہت بُرا ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اسی سورۂ طلاق کی بعد کی آیات (۸ ـ ۱۱) میں اس کا بیان ہے کہ سرکش لوگوں کا انجام بہت بُرا ہو سکتا ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اس کے حکموں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

طلاق اور عدّت کے چند اہم مسائل
حدیث کی روشنی میں

حدیثِ رسول کی شرعی حیثیت و اہمیت

اسلامی شریعت کا اولین ماخذ قرآن مجید ہے اور دوسرا ماخذ حدیث شریف۔ اور یہ دونوں بنیادی ماخذ مسلمانوں کے لئے ہر صورت میں قابلِ حُجت ہیں۔ قرآن اور حدیث سے جو حکم قطعی طور پر ثابت ہو جائے اُس میں کسی مسلمان کے لئے چون و چرا کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ مگر ان دونوں میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ قرآن مجید میں بہت سی باتیں مُجمل اور مختصر طور پر مذکور ہیں، جن کی شرح و تفصیل حدیثوں میں کی گئی ہے۔ اور یہ حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی حیثیت سے بھی موجود ہیں اور ان واقعات کی شکل میں بھی جو دورِ رسالت میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا آپ کے صحابہ کے ساتھ پیش آئے تھے۔ اور ان واقعات کو ملحوظ رکھتے ہوئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے منشا کے مطابق فیصلہ فرمایا۔ گویا کہ آپ نے صحابۂ کرام کو عملی زندگی میں قرآن مجید کو لاگو کرنے اور اس کے مقاصد کے مطابق فیصلہ کرنے کی تربیت دی تھی۔ اس اعتبار سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و عمل ہر مسلمان کے لئے قابلِ حُجت ہے اور ان کے ملاحظہ سے گویا کہ قرآن مجید کی عملی تفسیر ہمارے سامنے آتی ہے۔

بہرحال حدیث شریف کے قوانین بہت واضح ہیں۔ مگر چونکہ ان کی عملی تطبیق مختلف اوقات میں ہوتی ہے لہٰذا کہیں کہیں کچھ ظاہری اختلاف بھی نظر آتا ہے، جو زیادہ تر فروعی اُمور و مسائل سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اسی بنا پر فقہاء کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ مگر یہ اختلاف اُمت کے لئے مجموعی حیثیت سے چنداں مُضر نہیں ہے۔ بلکہ ایک حیثیت سے دیکھا جائے تو اس میں عملی طور پر وسعت نظر آتی ہے۔ لیکن کے صرف چند مسائل ایسے ہیں جن پر جائز و ناجائز کی بحث پیدا ہو جاتی ہے۔ اور انہی محدود سے چند مسائل میں تین طلاق کا مسئلہ بھی ہے، جس نے موجودہ دور میں سخت اختلافی شکل اختیار کر لی ہے۔

اور بعض لوگ اس سلسلے میں اپنے مسلک سے مطابقت رکھنے والی صرف ایک یا دو حدیثوں کو صحیح مان کر بقیہ تمام حدیثوں کو رد کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ حدیثیں "صحاح ستہ" یعنی بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کی ہیں، جو حدیث رسول کی مستند ترین کتابیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ روش نہ صرف دین سے بے اعتباری اور انکار حدیث کے رجحان کو تقویت پہنچاتی ہے بلکہ صحابہ کرام کے عمل اور ان کے فتاوے کو بھی مشتبہ اور ناقابل حجت بنا دیتی ہے اور صحابہ کرام کے عمل کو مشتبہ یا ناقابل عمل بنانے کا منطقی نتیجہ ظاہر ہے کہ پورے دین سے بے اعتباری کی شکل میں نمودار ہوگا اور ایک خطرناک قسم کی تشکیک پیدا ہو جائے گی۔ کیونکہ دین کے بہت سے احکام و مسائل صحابہ کرام کے قول و فہم اور ان کے عمل سے تعلق رکھتے ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے براہ راست تربیت یافتہ تھے۔ لہٰذا ان کی سنت اور ان کے فتاویٰ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اور ہمارے سامنے حدیث کے جو مختلف مجموعے موجود ہیں ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کے علاوہ صحابہ کرام کے فتاویٰ اور ان کے اقوال و اعمال بھی مذکور و موجود ہیں۔ اور فقہائے کرام نے انہی بھی فقہ کی ایک بنیاد قرار دیتے ہوئے قیاس پر صحابہ کرام کے فتاویٰ کو مقدم رکھا ہے، جو ایک صحیح اور درست اصول ہے۔ کیونکہ سنت رسول کی طرح صحابہ کا قول و عمل بھی حجت ہے۔ اس اعتبار سے فہم و تدبر کا صحیح تقاضا ہے کہ کسی ایک حدیث کا انکار کئے بغیر تمام حدیثوں کو ایک وسیع چوکھٹے کے اندر فٹ کر کے ان کے باہمی اور ظاہری تعارض و تضاد کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور ہر حدیث کو اس کا صحیح مقام عطا کیا جائے۔ ورنہ سر رشتۂ حیات ہمارے ہاتھ سے چھوٹ جائے گا اور سوائے ناکامی اور گمشدگی کے اور کوئی چیز ہاتھ نہ آ سکے گی۔

غرض اس باب میں جو مختلف حدیثیں پیش کی جا رہی ہیں وہ اسی مقصد کے تحت مختصر اور عام فہم تشریح و توضیح کے ساتھ اس انداز میں پیش کی جا رہی ہیں کہ ان میں باہم کوئی تعارض و تضاد نہ رہے اور قرآن و حدیث کا صحیح حکم اور صحیح مسلک پوری طرح واضح اور مدلل ہو کر سامنے آ جائے۔ یہ مضمون چونکہ عوام اور متوسط طبقے کے لئے ہے، اس لئے اس میں زیادہ دقیق علمی بحثیں نہیں کی گئی ہیں، بلکہ عام فہم انداز میں چند موٹے موٹے اصول اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ عوام کے ساتھ ساتھ خواص کی بھی ذہن سازی ہو جائے۔ اور خواہ مخواہ کے نزاع سے امت کو نجات مل سکے۔

آج کل اسلامی شریعت کو تبدیل کرنے کے سلسلے میں ہمارے ملک میں جو تحریک چلائی جا رہی ہے اُس کی تکنیک یہ ہے کہ اسلامی قانون پر براہِ راست حملہ کرنے سے بچنے کے لئے صحیح اسلامی قوانین پر بعض شبہات پیدا کئے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ فلاں فلاں قانون صحیح اسلامی قانون نہیں بلکہ زیادہ بندہ ہے۔ گویا ان لوگوں کو صحیح اسلامی قانون نافذ کرنے کی بڑی فکر ہے۔ اور یہ لوگ جن قوانین پر اعتراض کرتے ہیں ان میں تین طلاق کا مسئلہ بھی ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ قرآن اور حدیث کی رُو سے یک لفظ دی ہوئی تین طلاقیں واقع نہیں ہوتیں۔ اور جن فقہاء نے ان کے وقوع کا فتویٰ صادر کیا ہے وہ غلط ہے۔ اور وہ یہ بات قرآن اور حدیث کا صحیح علم حاصل کئے بغیر محض اسلامی شریعت میں شبہ پیدا کرنے کی غرض سے کہتے ہیں۔ لہٰذا ضرورت تھی کہ یہ مسئلہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں آسان طور پر اس طرح پیش کیا جائے کہ متوسط اور کم پڑھے لکھے لوگ بھی اس مسئلے کو اچھی طرح سمجھ لیں اور انہیں کسی قسم کا اشتباہ نہ رہ جائے اور نہ وہ کسی کے بہکاوے میں آسکیں۔ اس مقصد کے پیشِ نظر اس سلسلے کی چند اہم حدیثوں کو مختصر تشریح کے ساتھ آسان و سلیس اور سمجھ میں آنے والے انداز میں پیش کرنے کی سعی کی جا رہی ہے۔ اور اس کوشش کا اولین مقصد یہی ہے کہ مسلمان اپنی شریعت کو اچھی طرح سمجھ لیں اور پھر پورے خلوص کے ساتھ اس پر عمل کر کے دنیا و آخرت کی سعادتوں سے مالا مال ہوں۔

۱۔ طلاقِ سُنّت کیا ہے؟

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَنَّہٗ طَلَّقَ امْرَاَتَہٗ وَھِیَ حَائِضٌ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ فَسَاَلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِکَ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُرْہُ فَلْیُرَاجِعْہَا ثُمَّ لِیُمْسِکْہَا حَتّٰی تَطْھُرَ ثُمَّ تَحِیْضَ ثُمَّ تَطْھُرَ۔ ثُمَّ اِنْ شَاءَ اَمْسَکَ بَعْدُ وَاِنْ شَاءَ طَلَّقَ قَبْلَ اَنْ یَّمَسَّ۔ فَتِلْکَ الْعِدَّۃُ الَّتِیْ اَمَرَ اللّٰہُ اَنْ یُّطَلَّقَ لَھَا النِّسَاءُ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی تو حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے اس بارے میں (فتویٰ) طلب کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم عبداللہ کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے مراجعت کرلیں (یعنی طلاق واپس لے لیں)۔ پھر وہ رکے رہیں یہاں تک کہ بیوی حیض سے پاک ہوجائے۔ پھر وہ دوبارہ حیض سے ہو، پھر پاک ہوجائے تب وہ اگر چاہیں تو اُسے روک لیں (یعنی بیوی بنا کر رکھ لیں)۔ یا اگر چاہیں تو اُسے چھونے (مباشرت کرنے) سے پہلے طلاق دے دیں۔ تو یہ وہ عدت (گنتی) ہے جس کے مطابق اللہ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔ (یعنی سورۂ طلاق کی آیت نمبر ۱ کے مطابق)۔ [1]

ایک دوسری روایت کے مطابق آپ نے یوں فرمایا: مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا إِذَا طَهُرَتْ أَوْ وَهِيَ حَامِلٌ: یعنی اپنے لڑکے کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی کو لوٹا لیں۔ پھر وہ یا تو اُسے طہر کی حالت میں طلاق دیں یا حمل کی حالت میں۔ [2]

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو حیض کی حالت میں یا ایسے طہر میں جس میں شوہر نے بیوی سے ہم بستری کی ہے طلاق دینا جائز نہیں ہے۔ اگر ایسی حالت میں کسی نے اپنی منکوحہ کو ایک یا دو طلاق دی ہے تو اُسے طلاق واپس لینا (رجوع کرنا) واجب ہوگا۔ [3] لیکن اگر عورت حاملہ ہو تو اُسے جب چاہے طلاق دی جا سکتی ہے۔

۲۔ کیا حیض کی حالت میں دی ہوئی طلاق شمار ہوگی؟

عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِيْنَ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ قَالَ طَلَّقَ ابْنُ عُمَرَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ۔ فَذَكَرَ عُمَرُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فَقَالَ لِيُرَاجِعْهَا۔ قُلْتُ أَتُحْتَسَبُ؟ قَالَ فَمَهْ؟

ترجمہ: ابن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انہوں نے اپنی بیوی

---

[1] بخاری ۶/۱۶۳ مطبوعہ استانبول، مسلم ۲/۱۰۹۳ مطبوعہ ریاض، ابوداؤد ۲/۶۳۲ مطبوعہ حمص، نسائی ۶/۱۳۷ بیروت، ابن ماجہ ۱/۶۵۱ بیروت، موطا امام مالک ۲/۵۷۶ مطبوعہ بیروت

[2] ابوداؤد ۲/۶۳۳، ترمذی ۳/۴۷۹، نسائی ۶/۱۴۱، ابن ماجہ ۱/۶۵۲

[3] ہدایہ، منقول از فتح الباری، حافظ ابن حجر عسقلانی، ۹/۳۴۹، مطبوعہ ریاض

کو حیض کی حالت میں طلاق دی تھی تو حضرت عمرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ وہ اپنی بیوی کو لوٹا لیں۔ ابن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ سے پوچھا کہ یہ وہ طلاق شمار کی جائے گی؟ تو انہوں نے فرمایا اور کیا؟ (یعنی وہ ساقط نہیں ہوگی)۔[7]

بعض راویوں نے اس پر اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے سائل کے جواب میں یوں فرمایا: فَمَا يَمْنَعُهُ؟ أَرَأَيْتَ إِنْ عَجَزَ وَاسْتَحْمَقَ؟ یعنی یہ طلاق واقع ہونے میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے؟ کیا میرے عاجز ہو جانے یا احمق بن جانے کی وجہ سے یہ حکم لاگو نہ ہوگا؟[8]

ایک دوسری روایت میں اس کی مزید وضاحت اس طرح ملتی ہے: فَاعْتَدَدْتُ بِتِلْكَ التَّطْلِيقَةِ الَّتِي طَلَّقْتُ وَهِيَ حَائِضٌ؟ فَقَالَ مَا لِي لَا أَعْتَدُّ بِهَا، وَإِنْ كُنْتُ عَجَزْتُ وَاسْتَحْمَقْتُ. یعنی سوال کرنے والے نے پوچھا کہ کیا آپ نے اس طلاق کو شمار کیا تھا جب کہ آپ نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تھی؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں اس طلاق کو کیوں نہ شمار کرتا؟ جب کہ میں (طلاق کا سنت طریقہ جاننے سے) عاجز تھا اور حماقت کر بیٹھا تھا![9]

ایک اور روایت کے مطابق حضرت ابن عمرؓ نے اپنے واقعہ کا اعتراف اس طرح کیا ہے: وَحَسَبْتُ لَهَا التَّطْلِيقَةَ الَّتِي طَلَّقْتُهَا: میں نے اپنی بیوی کو جو ایک طلاق دی تھی اس کو شمار کیا۔[10]

ابن عمرؓ نے چونکہ ایک طلاق دی تھی اس لئے بخاری شریف کی تصریح کے مطابق ان کے حساب میں ایک طلاق شمار کی گئی: حُسِبَتْ عَلَيَّ بِتَطْلِيقَةٍ: ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میرے کھاتے میں ایک طلاق ڈالی گئی۔[11]

تشریح: جس طرح قرآن مجید کی مختلف آیات و مقامات ایک دوسرے کی تشریح و تفسیر

---

[7] بخاری ۲/۷۹۰، مسلم ۱/۴۷۶، ابوداؤد ۱/۲۹۶، نسائی ۲/۱۴۱-۱۴۲، ابن ماجہ ۱/۱۵۰

[8] و [9] و [10] صحیح مسلم کتاب الطلاق

[11] بخاری ۲/۷۹۰

کرتے ہیں، اسی طرح حدیث شریف کے ان مختلف بیانات سے بھی اس مسئلے کی پوری پوری تشفی بخش تفسیر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ غرض ان مختلف روایات سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کسی نے غیر سنت طریقے کے مطابق اپنی بیوی کو حالتِ حیض وغیرہ میں طلاق دی تو وہ طلاق لغو یا باطل نہیں ہوتی جیسا کہ شیعوں وغیرہ کا مسلک ہے، بلکہ وہ شمار کی جائے گی۔ کیونکہ اول تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی طلاق میں رجوع کرنے کا حکم دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ طلاق واقع ہو چکی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ خود ابن عمرؓ نے اس طلاق کو شمار کیا ہے، جن کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ اور بقول طحاوی اس سلسلے میں مروی روایات "حد تواتر" (بکثرت مروی روایات جن میں جھوٹ یا شک وشبہ کا احتمال نہ رہے) کو پہنچی ہوئی ہیں[1] ظاہر ہے کہ اگر اس قسم کی طلاق واقع نہ ہو تو پھر مراجعت (رجوع کرنے) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خود امام بخاری نے ایسی طلاق کو شمار کرتے ہوئے اس کے لئے اس باب کا جو عنوان قائم کیا ہے وہ یہ ہے: "بَابُ إِذَا طُلِّقَتِ الْحَائِضُ تَعْتَدُّ بِذٰلِكَ الطَّلَاقِ" یعنی حیض والی عورت کو جب طلاق دی جائے گی تو وہ طلاق شمار ہوگی۔[2]

حاصل یہ کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو غیر مسنون طور پر طلاق دی تو وہ لغو یا باطل نہیں ہوگی۔ (جیسا کہ بعض لوگوں کا دعویٰ ہے) بلکہ شمار کی جائے گی۔ اگر ایک دی ہے تو ایک شمار ہوگی، دو دی ہیں تو دو شمار ہوں گی اور اگر تین دی ہیں تو تین شمار ہوں گی۔ کیونکہ غیر مسنون طریقے سے واقع شدہ فعل لغو یا مہمل نہیں ہوتا، بلکہ اپنے منطقی اثرات ضرور رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب غیر شرعی یا غیر مسنون طریقے پر دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے تو پھر اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ ایک ہو یا دو یا تین، یعنی جس طرح ایک واقع ہو سکتی ہے اسی طرح دو اور تین بھی واقع ہو سکتی ہیں۔ نتیجہ یہ کہ اس قسم کی طلاق کو شمار نہ کرنا ان صاف وصریح حدیثوں کا انکار کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ محض اپنی رائے یا قیاس یا عقلی احتمالات کی

---

[1] شرح معانی الآثار از طحاوی ۲/۳۶، مطبع کراچی

[2] بخاری ۲/۷۹۳

رُو سے ان احادیث کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس قسم کا اقدام اتباعِ سُنّت کے خلاف ہے۔ بلکہ یہ بات نہ صرف خلافِ شرع ہے بلکہ وہ خلافِ عقل بھی ہے۔ اس کی مزید وضاحت اگلی حدیث سے بخوبی ہو جائے گی جس کے مطابق غیر مسنون طریقہ سے دی ہوئی تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں۔

۲۔ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں

وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ إِذَا سُئِلَ عَنْ ذٰلِكَ قَالَ لِأَحَدِهِمْ : أَمَّا أَنْتَ طَلَّقْتَ امْرَأَتَكَ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ، فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنِيْ بِهٰذَا، وَإِنْ كُنْتَ طَلَّقْتَهَا ثَلَاثًا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْكَ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَكَ، وَعَصَيْتَ اللّٰهَ فِيْمَا أَمَرَكَ مِنْ طَلَاقِ امْرَأَتِكَ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے جب کوئی اس واقعہ کے بارے میں پوچھتا تو آپ یوں فرماتے: (رجوع کرنا اس وقت ہے جبکہ) تم اپنی عورت کو ایک یا دو طلاقیں دے چکے ہو۔ (اسی بناء پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رجوع کرنے کا حکم دیا تھا۔ ورنہ اگر تم تین طلاقیں دے چکو تو تمہاری بیوی تم پر حرام ہو جائے گی جب تک کہ وہ تمہارے علاوہ کسی دوسرے سے نکاح نہ کر لے۔ مگر اس صورت میں تم اللہ کے تعین کردہ طریقے کے مطابق طلاق نہ دے کر اس کے نافرمان ہو گے۔[۱]

تشریح: امام بخاری نے اس روایت کو کچھ الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ بیان کرتے ہوئے تصریح کی ہے کہ اہل علم کے نزدیک جب کوئی شخص تین طلاق دے دے تو بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ (وَقَالَ أَهْلُ الْعِلْمِ إِذَا طَلَّقَ ثَلَاثًا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْهِ)۔[۲]

یہ حدیث تین طلاقوں کے وقوع کے بارے میں ایک قولِ فیصل ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ پیش آیا تھا، جس کے باعث انہیں اس مسئلے میں زیادہ تحقیق کرنے اور اس کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے کا موقع ملا تھا۔ اسی بناء پر آپ عمر بھر لوگوں کو یہی فتویٰ دیتے رہے کہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی

---

[۱] صحیح مسلم ۱/۴۷۶-۱۰۹۳-۱۰۹۴
[۲] صحیح بخاری ۲/۷۹۱

ہیں، جیسا کہ اس سلسلے کی متعدد روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ صاحب واقعہ جس طرح اپنے واقعہ کی تطبیق کر سکتا ہے اس طرح کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا۔ ایسی صورت میں جب کہ انہوں نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلے میں مراجعت کی ہے۔ پھر اس کے بعد آپ لوگوں کو اس مسئلے کے نشیب و فراز بتا رہے ہیں اور اپنے واقعے کی روشنی میں فتویٰ دے رہے ہیں۔

غرض اس سے صراحتاً معلوم ہو گیا کہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، لغو نہیں ہوتیں، جیسا کہ شیعوں وغیرہ کا مسلک ہے۔ اور جو لوگ تین کو ایک قرار دیتے ہیں وہ نہ صرف خلاف شریعت ہے بلکہ خلاف عقل بھی ہے۔ اور بعض حدیثوں سے اس مسئلے پر بھی روشنی پڑ جاتی ہے کہ خود دور رسالت میں بھی بیک وقت تین طلاق دینے کا رواج موجود تھا۔ جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہوگا۔

۴۔ دور رسالت میں تین طلاق کا ثبوت

عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ قَالَ أُخْبِرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثَ تَطْلِيْقَاتٍ جَمِيْعاً، فَقَامَ غَضْبَانًا ثُمَّ قَالَ أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ، حَتّٰى قَامَ رَجُلٌ وَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَلَا أَقْتُلُهُ؟

ترجمہ: محمود بن لبیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص کے بارے میں بتایا گیا کہ اس نے اپنی بیوی کو پوری تین طلاقیں دے دی ہیں۔ اس پر آپ غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جائے گا جب کہ میں تمہارے سامنے موجود ہوں! اس پر ایک صحابی اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! کیا میں اس شخص کو قتل کر دوں؟[۱۲]

تشریح: اس حدیث سے چند اہم حقائق ثابت ہوتے ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ دور رسالت میں بیک وقت تین طلاقیں دینے کا رواج موجود تھا۔ جیسا کہ اس حدیث کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے: ثَلَاثَ تَطْلِيْقَاتٍ جَمِيْعاً۔ یعنی تینوں طلاقیں یکجا تین طلاقیں۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فعل پر سخت ناراضگی ظاہر کرتی ہے کہ ایسا کرنا بہت

---

[۱۲] سنن نسائی ۱۴۲/۶

بڑا گناہ اور کتاب اللہ کے ساتھ ایک مذاق ہے۔

۳۔ اس حدیث میں اس بات کی صراحت موجود نہیں ہے کہ یہ تینوں طلاقیں پڑ گئیں یا نہیں! مگر قرینے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ پڑ گئیں۔ ورنہ آپ اس فعل پر اس قدر شدید ردِ عمل کا اظہار نہ فرماتے۔ لہٰذا پچھلے اور اگلے صفحات میں جو حدیثیں مذکور ہیں اُن کی روشنی میں یہی فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ بیک وقت دی ہوئی تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

۴۔ اگر وہاں بہ حالت میں تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کا رُجحان موجود ہوتا (جیسا کہ اگلے صفحات میں مذکور حدیث نمبر ۸ سے ظاہر ہوگا) تو آپ اس صورت میں یوں فرماتے کہ چلو کوئی بات نہیں، تین ایک ہو گئی۔ مگر یہاں پر آپ نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی۔ بلکہ شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ طلاقیں واقع نہ ہوتیں تو آپ اس قدر ناراض کیوں ہوتے؟ غرض تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کا اس میں کوئی ہلکا سا اشارہ بھی موجود نہیں ہے۔ بلکہ یہ حدیث تین کو ایک قرار دینے کے مسلک کو غلط اور باطل ثابت کر رہی ہے۔

۵۔ یہ حدیث اپنے معنی و مطلب کے لحاظ سے اوپر مذکور حضرت ابن عمرؓ کی اُس مشہور و متواتر حدیث کے مطابق ہے جس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض کی حالت میں طلاق دینے پر سخت غصّے کا اظہار کرتے ہوئے اس سے رُجوع کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسی بنا پر علماء کی رائے یہ ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا حرام ہے۔ اور اگر کسی نے طلاق رجعی دی ہے تو اس صورت میں اس طلاق سے رجوع کرنا واجب ہے۔ تو اب جس طرح ابن عمرؓ کی حدیث سے غیر سنّت طور پر دی ہوئی طلاق میں حُرمت ثابت ہوتی ہے اسی طرح اس حدیث کی رُو سے بھی اس کی حُرمت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ بھی غیر سُنّت طریقہ ہے۔ اور سب سے زیادہ قابلِ غور بات یہ ہے کہ ابن عمرؓ کی حدیث کے مطابق چونکہ رُجوع کرنے کی گنجائش باقی تھی اس لئے آپ نے غیر سُنّت طلاق میں رُجوع کرنے کا حکم دیا لیکن اس موقع پر چونکہ رُجوع کرنے کا حق باقی نہیں رہا اس لئے آپ نے یہاں پر ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ گنجائش ہونے کی صورت میں آپ اس کا حکم ضرور دیتے۔ ایک صحابی کا اُس شخص کے قتل پر آمادہ ہو جانا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی شدید غصے کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت کی نظر میں اس قسم کا فعل قابل ملامت ہے جو کسی بھی حال میں جائز و مشروع نہیں بن سکتا۔ لہذا تین کو ایک قرار دینے کی بات بالکل غلط اور باطل ہے۔

خلاصہ یہ کہ ان دونوں مسئلوں میں غیر سنت طلاق (طلاق بدعت) کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں عورتوں میں طلاق پڑ جاتی ہے۔ ورنہ جس طرح حضرت ابن عمرؓ کو حیض کی حالت میں طلاق دینے کی وجہ سے رجوع کرنے کا حکم دیا گیا تھا اسی طرح یہاں بھی دیا جاتا۔ لیکن جب اس طرح کا کوئی حکم یہاں پر ثابت نہیں ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ تینوں طلاقیں پڑ گئیں۔ اور جب تینوں طلاقیں پڑ گئیں تو اب رجوع کرنے کا اختیار باقی نہیں رہا۔ ورنہ اگر ان طلاقوں کو واقع نہ مانا جائے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید ناخوشی کی کوئی دوسری معقول وجہ نظر نہیں آتی۔ یہ نتیجہ دو اور دو چار کی طرح بالکل واضح ہے، جس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ بلکہ ایک معمولی عقل والا شخص بھی یہی نتیجہ نکال سکتا ہے۔

۵۔ تین طلاق کے بعد عورت حرام ہو جاتی ہے

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَجُلاً طَلَّقَ امْرَاَتَهُ ثَلاَثاً، فَتَزَوَّجَتْ فَطَلَّقَ، فَسُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَحِلُّ لِلْاَوَّلِ؟ قَالَ لاَ، حَتّٰى يَذُوْقَ عُسَيْلَتَهَا كَمَا ذَاقَ الْاَوَّلُ.

ترجمہ: اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالیں تو اس عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔ مگر دوسرے نے بھی اُسے طلاق دے دی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ پہلے شخص کے لئے (نئے نکاح کے ساتھ) حلال ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، جب تک کہ دوسرا شخص بھی پہلے ہی کی طرح اُس کی مٹھاس چکھ نہ لے (یعنی اس سے ہم بستری نہ کر لے)۔[1]

---

[1] بخاری ۲/۷۹۱، مسلم ۱/۴۶۳، نسائی ۲/۱۰۵، ۱۲۸/۱

تشریح : امام بخاری نے اس حدیث کو یک لفظ دی ہوئی تین طلاق کے واقع ہو جانے کو ثابت کرنے کی غرض سے پیش کیا ہے۔ نیز اس کے علاوہ دو مزید حدیثیں بھی اس سلسلے میں بطور ثبوت پیش کی ہیں۔ نتیجہ یہ کہ اگر کوئی اپنی بیوی سے یوں کہے کہ "تجھے تین طلاق ہے" تو اس صورت میں تینوں طلاقیں پڑ جاتی ہیں۔ اسی بات کو ثابت کرنے کے لئے امام بخاری نے یہ اور دیگر دو حدیثیں بیان کی ہیں۔ غرض یہ اور اس قسم کی دیگر تمام حدیثوں سے تین طلاقوں کا وقوع ثابت ہے۔ لہٰذا تین طلاقوں کے وقوع کو رد کرنا یا انہیں ایک قرار دینا ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جب صحیح حدیث سے کوئی بات ثابت ہو جائے تو پھر اس میں اپنی رائے یا قیاس کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ان پر بے چون و چرا عمل کرنا لازم آتا ہے۔

۶۔ حلالہ کے لئے خلوت صحیحہ کافی نہیں ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فَيَتَزَوَّجُهَا الرَّجُلُ فَيُغْلِقُ الْبَابَ وَيُرْخِي السِّتْرَ، ثُمَّ يُطَلِّقُهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا، قَالَ لَا تَحِلُّ لِلْأَوَّلِ حَتَّى يُجَامِعَهَا الْآخَرُ۔

ترجمہ : حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیتا ہے۔ پھر دوسرا شخص اس عورت سے نکاح کر کے دروازہ بند کر لیتا ہے اور پردے کھینچ لیتا ہے۔ پھر اس کے بعد اس سے ہم بستری کئے بغیر اسے طلاق دے دیتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس صورت میں وہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ دوسرا اس سے مباشرت نہ کر لے۔[۱]

تشریح : اس حدیث نے اس مسئلے کو پوری طرح صاف کر دیا کہ تین طلاق والی عورت سے نئے مرد کا محض تنہائی میں مل لینا یا پردے کھینچ لینا کافی نہیں ہے بلکہ مباشرت ضروری ہے، ورنہ حلالہ کی شرط پوری نہیں ہو سکتی۔ امام نسائی اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں : هٰذَا أَوْلٰى بِالصَّوَابِ :

---

[۱] سنن نسائی ۲/ ۱۲۹

اس باب میں یہی زیادہ صحیح ہے۔ یعنی تین طلاق کے بعد جب تک کہ عورت کا حلالہ نہ ہو جائے وہ طلاق دینے والے پر حرام رہتی ہے۔

یہ اور اس قسم کی دیگر حدیثیں قرآن مجید ہی کی تشریح و تفسیر کرنے والی ہیں۔ اس کی تفصیل پچھلے باب میں فقرہ ۳ اور ۴ میں آیتِ قرآنی "حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ" (جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے ہم بستری نہ کرلے) کے تحت گزر چکی ہے۔ اور اس مسئلہ میں تین طلاق خواہ بیک لفظ ہو یا متفرق طور پر دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ جیسا کہ پچھلے باب کے فقرہ ۳ اور ۴ سے ظاہر ہو گیا۔

۷۔ مشروط طور پر حلالہ کرنا حرام ہے

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحِلَّ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ لعنت کرے حلالہ کرنے اور کرانے والے پر۔[1]

تشریح: یعنی اگر کوئی اپنی مطلقہ عورت کا نکاح کسی دوسرے شخص سے اس شرط پر کرے کہ وہ اس سے ہم بستری کرنے کے بعد طلاق دے دے گا تو اس طرح نکاح کرنا اور کرانا دونوں شریعت کی نظر میں حرام اور قابلِ لعنت فعل ہے۔ کیونکہ یہ حرکت اصولِ تمدن و معاشرت کے خلاف ہے۔ اور اس قسم کی شرمناک حرکت سے بجائے اصلاح کے فساد لازم آتا ہے اور خفیہ تعلقات کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اسی بنا پر ایک دوسری حدیث میں حلالہ کرنے والے شخص کو "تَيْسِ مُسْتَعَار" یعنی کرائے کا بکرا کہا گیا ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالتَّيْسِ الْمُسْتَعَارِ؟ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ قَالَ هُوَ الْمُحَلِّلُ۔ لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں کرائے کے بکرے کے بارے میں نہ بتاؤں؟ صحابہ نے عرض کیا:

---

[1] ترمذی ۲/۲۱۸، نسائی ۶/۱۴۹، ابن ماجہ ۱/۶۲۲

ضرور بتا دیجئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ اللہ لعنت کرے حلالہ کرنے اور کرانے والے پر۔[۴۵]

مشروط طور پر حلالہ کرنا اتنا سخت معاشرتی گناہ ہے کہ خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ نے اسے زنا تصور کرتے ہوئے ایسا کرنے اور کرانے والے پر رجم (سنگسار) کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا: لَا أُوتٰی بِمُحَلِّلٍ وَلَا مُحَلَّلٍ لَہٗ إِلَّا رَجَمْتُہُمَا۔ یعنی جب بھی میرے پاس حلالہ کرنے اور کرانے والے کو لایا جائے تو میں ان دونوں کو سنگسار کر دوں گا۔[۴۶]

لہٰذا نظامِ تمدن کو صحیح رخ پر چلانے کے لئے ضروری ہے کہ نکاح اور طلاق کے ضابطہ کو بغیر کسی شرط کے آزادانہ حقِ انتخاب کی بنیاد پر رکھا جائے۔ بہرحال حلالے کے سلسلے میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی اس طرح مشروط طور پر نکاح کرلے مگر بعد میں طلاق نہ دے تو پہلا شوہر اُسے خود طلاق دینے پر مجبور نہیں کرسکتا، بلکہ وہ دوسرے ہی کی بیوی رہے گی۔ ہاں اگر کوئی شخص ایسی عورت سے اپنی مرضی اور صوابدید سے نکاح کرنے کے بعد کسی وجہ سے از خود طلاق دے دے یا اُس کا انتقال ہو جائے تو اس صورت میں وہ پہلے شوہر کے لئے نئے نکاح کے ذریعہ حلال ہوسکتی ہے۔

اس باب میں شریعت نے اس قدر سختی اس لئے رکھی ہے تاکہ کوئی اپنی بیوی کو تین طلاق ہرگز نہ دے (نہ اکٹھا طور پر اور نہ متفرق طور پر)۔ اور اگر دینا ہی ہے تو اس کے نتائج پر پہلے ہی اچھی طرح سے غور کرلے، تاکہ بعد میں اُسے پچھتانا نہ پڑے۔ ظاہر ہے کہ جب ایک شخص کو پہلے ہی سے یہ بات معلوم ہو کہ تین طلاق دینے کے بعد اُس کی محبوب ترین شے یعنی اُس کی شریکِ حیات دوسرے کا بستر گرمائے بغیر اُس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی تو وہ ایسا سخت و سنگین قدم اُٹھانے سے پہلے ہزار بار غور کرلے گا۔ اسی لئے اس سنگین اقدام کی سزا بھی انتہائی سخت و سنگین رکھی گئی ہے، تاکہ ہر شخص کو اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ "تین طلاق" گڈے گڑیا کا کوئی کھیل نہیں بلکہ اپنی محبوب ترین شے اور دنیا کی سب سے زیادہ قیمتی متاع سے ہاتھ دھولینا ہے۔

---

[۴۵] سنن ابن ماجہ ۱/۶۲۳

[۴۶] مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، بیہقی، منقول از تفسیر درمنثور ۱/۲۰۴ – ۲۸۵

۸۔ غیر مدخولہ عورت کی تین طلاق کا حکم

عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ أَبَا الصَّهْبَاءِ قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ أَتَعْلَمُ أَنَّمَا كَانَتِ الثَّلَاثُ تُجْعَلُ وَاحِدَةً عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ وَأَبِي بَكْرٍ وَثَلَاثًا مِنْ إِمَارَةِ عُمَرَ؟ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَعَمْ۔

ترجمہ: طاؤس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابوصہباء نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کیا آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے دور میں نیز حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی تین سالوں میں تین (طلاق) کو ایک قرار دیا جاتا تھا؟ تو ابن عباس نے فرمایا: ہاں۔"[1]

تشریح: ظاہری معنی و مفہوم کے لحاظ سے اس حدیث اور سابقہ احادیث میں ٹکراؤ نظر آتا ہے۔ یعنی سابقہ حدیثوں کے مطابق یہ بات سامنے آچکی ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے تو تینوں پڑ جاتی ہیں۔ مگر اس حدیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاق کو اسلام کے ابتدائی ادوار میں ایک قرار دیا جاتا تھا۔ لیکن یہ بات درحقیقت غیر مدخولہ عورت کے بارے میں ہے، جیسا کہ اسی سلسلے کی ایک دوسری حدیث میں اس کی تفصیل مذکور ہے، جس کے لحاظ سے یہ ٹکراؤ بالکل ختم ہو کر مسئلہ صاف ہو جاتا ہے۔ اور وہ حدیث یہ ہے:

عَنْ طَاوُسٍ أَنَّ رَجُلًا يُقَالُ لَهُ أَبُو الصَّهْبَاءِ كَانَ كَثِيرَ السُّؤَالِ لِابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الرَّجُلَ كَانَ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا جَعَلُوهَا وَاحِدَةً عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ إِمَارَةِ عُمَرَ؟ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بَلَى، كَانَ الرَّجُلُ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا جَعَلُوهَا وَاحِدَةً عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ إِمَارَةِ عُمَرَ، فَلَمَّا رَأَى النَّاسَ قَدْ تَتَابَعُوا فِيهَا قَالَ

---

[1] مسلم ۲/۱۰۹۹ ، ابوداؤد ۲/۲۶۰ – ۲۶۱ ، نسائی ۶/۱۴۵

تجعلونھن ثلٰثا۔ طاؤس سے روایت ہے کہ ایک شخص جس کا نام ابو صہبا تھا وہ ابن عباسؓ سے بہت زیادہ سوالات کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے پوچھا کیا آپ نہیں جانتے کہ جب کوئی شخص اپنی عورت کو مباشرت کرنے سے پہلے تین طلاق دے دیتا تو دورِ رسالت، دورِ ابو بکر اور دورِ عمر کے ابتدائی حصے میں ایسی طلاق کو ایک قرار دیا جاتا تھا؟ ابن عباس نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہوتا تھا کہ اُن ادوار میں جب کوئی شخص اپنی عورت کو مباشرت کرنے سے پہلے تین طلاق دے دیتا تو اُسے ایک قرار دیا جاتا تھا۔ مگر لوگ جب اس کام کو کثرت کے ساتھ کرنے لگے تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس کو تین پر لاگو کر دو۔[۲۰]

ان دونوں حدیثوں کو امام ابوداؤد نے ایک ہی باب میں نقل کیا ہے جس سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی تشریح کر رہی ہیں۔ یعنی ان دونوں کا حکم غیر مدخولہ عورت (جس سے ابھی مباشرت نہ کی گئی ہو) سے متعلق ہے، مطلق نہیں۔ کیونکہ اصولی اعتبار سے جب ایک ہی حکم سے متعلق ایک بات مطلق (بغیر کسی قید کے) ہو اور دوسری مقید (یعنی قید کے ساتھ) ہو تو اس صورت میں دونوں کو ایک ہی حکم سے متعلق قرار دیا جائے گا۔ نیز اسی طرح امام نسائی نے بھی اس حدیث (پہلی حدیث) کو غیر مدخولہ عورت کی متفرق طلاق پر محمول کیا ہے۔[۲۱] لہٰذا ان دو جلیل القدر محدثین کی تصریح کے باعث یہ مشابہت بڑی حد تک حل ہو جاتی ہے۔ اسی بنا پر حضرت ابن عباسؓ (جن سے یہ دونوں حدیثیں مروی ہیں) کے بہت سے شاگردوں کا مسلک یہ تھا کہ غیر مدخولہ عورت کو اگر تین طلاق دی جائے تو وہ ایک ہوگی، جب کہ عام اہل علم کو اس سے اختلاف ہے۔[۲۲]

بہرحال اس مسئلے میں اختلاف جو کچھ ہے وہ صرف غیر مدخولہ عورت یا دوشیزہ کے بارے میں ہے مگر اگر اسے تین طلاقیں دی جائیں تو کتنی پڑتی ہیں؟ تو اس بارے میں تین مسلک ہو گئے ہیں:

۱۔ بعض لوگوں کے نزدیک تینوں پڑ جاتی ہیں۔ جیسا کہ خود ابن عباسؓ سے ایک سلسلے میں

---

[۲۰] ابوداؤد ۱/۲۹۹
[۲۱] دیکھئے نسائی ۲/۱۴۵ (باب طلاق الثلاث المتفرقۃ قبل الدخول بالزوجۃ)
[۲۲] شرح خطابی برحاشیہ ابوداؤد ۲/۲۹۹، مطبوعہ حمص (شام)

سے دو روایات مروی ہیں۔[۲۳]

۲۔ بعض لوگوں کے نزدیک صرف ایک پڑتی ہے اور یہ بات طاؤس اور عطاء سے مروی ہے۔[۲۴]

۳۔ تیسرا مسلک یہ ہے کہ غیر مدخولہ عورت یا دوشیزہ کو ایک لفظ تین طلاق دینے کی صورت میں تینوں پڑ جاتی ہیں اور الگ الگ دینے کی صورت میں صرف ایک پڑتی ہے، مثلاً یوں کہا جائے کہ تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے۔[۲۵]

ان تینوں مسلکوں میں سے تیسرا مسلک ہی زیادہ صحیح اور قوی ہے اور اسی پر جمہور علماء و فقہائے اُمت کا اتفاق ہے۔ اس موقع پر یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ اوپر کی تصریح کے مطابق یہ بات اُس صورت میں ہے جب کہ "تین طلاق" کے الفاظ استعمال کئے بغیر محض لفظ "طلاق" کو تاکید کے طور پر دہرایا گیا ہو۔ ورنہ اگر کسی نے صراحتاً تین طلاقیں دے دی ہوں تو وہ تینوں پڑ جائیں گی، خواہ عورت مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ۔ جیسا کہ اس سلسلے میں خود حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ دیگر کئی صحابہ کرام سے منقول ہے۔ چنانچہ اس سلسلے کی ایک حدیث ملاحظہ ہو:

محمد بن ایاس سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے دوشیزہ (غیر مدخولہ) کے بارے میں پوچھا گیا جس کے شوہر نے اُسے تین طلاق دے دی ہو۔ تو سب نے یہی کہا کہ وہ اُس شخص کے لئے اُس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک کہ وہ دوسرا شوہر نہ کرلے۔[۲۶]

حاصل بحث یہ کہ صحابہ کرام اور جمہور علمائے اسلام کے مسلک کے مطابق قول فیصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک لفظ تین طلاق دے (مثلاً یوں کہے کہ تجھے تین طلاق ہے) تو اس صورت میں

---

۲۳ مصنف ابن ابی شیبہ، ۵/۲۱-۲۰، مطبوعہ بمبئی
۲۴ ایضاً ۵/۲۶
۲۵ ایضاً ۵/۲۳
۲۶ سنن ابوداؤد ۱/۲۹۸

بنیادی اور فاش ترین غلطی ہے۔ اب دیکھئے! اس کے برعکس حدیث ۳۸ میں واضح طور پر تین طلاق، تلاوت تعلیقات جیسے ... کے الفاظ موجود ہیں، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت مذمت کی اور غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے۔ سوال یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غضبناکی کی وجہ کیا تھی؟ اگر تین ایک ہوتی تو آپ نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ طلاق تین ایک ہے؟ ایک طرف یہ کہا جاتا ہے کہ دورِ رسالت میں تین کو ایک قرار دیا جاتا تھا۔ مگر دوسری طرف یہ تصریح ملتی ہے کہ آپ تین کے لفظ پر غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ تو ان دونوں میں سے کونسی بات صحیح ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں بیک وقت صحیح نہیں ہو سکتیں، بلکہ ان دونوں میں سے کسی ایک ہی کو اختیار کرنا پڑے گا۔ لیکن امام ابوداؤد اور امام نسائی کی تصریحات کے مطابق اوپر جو توجیہ کی گئی ہے اس کی رو سے یہ دونوں حدیثیں اپنی اپنی جگہ پر قابلِ عمل رہتی ہیں۔ لہٰذا یہی بات زیادہ صحیح ہے۔

اور دوسری حیثیت سے غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ بیک وقت تین طلاق دینا حرام ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل پر سخت غصے کا اظہار فرمایا ہے۔ لہٰذا جو چیز حرام ہو وہ حلال یا مشروع نہیں ہو سکتی۔ نتیجہ یہ کہ تین کو ایک قرار دینا ایک حرام چیز کو حلال کرنا ہے، جس کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر اللہ اور اس کے رسول نے جس چیز کو حرام قرار دیا ہو اسے دنیا کا کوئی شخص حلال یا جائز قرار نہیں دے سکتا۔ یہ تو نہایت صاف اور سیدھی بات ہے کہ اس کو ایک معمولی عقل والا آدمی بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے[۴۰]

ھٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ۔

۹۔ تین طلاق کے وقوع پر قرآن سے استدلال

حضرت ابن عباسؓ "ترجمان القرآن" اور "حبر الامت" کہلاتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ایک سائل کے جواب میں تین طلاق کے وقوع پر قرآن حکیم سے نہایت ہی لطیف انداز میں مستند استدلال کیا ہے۔ دیکھئے یہ حدیث کس طرح دلنشین انداز میں مذکور ہے جو ہر قسم کی تشریح و تفصیل سے بے نیاز دکھائی دیتی ہے:

۴۰۔ اس حدیث پر مزید کلام ... تفصیل کے لئے دیکھئے راقم الحروف کی کتاب "تین طلاق کا ثبوت اسلامی شریعت میں"

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ، فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: إِنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا. قَالَ: فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهُ رَادُّهَا إِلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: يَنْطَلِقُ أَحَدُكُمْ فَيَرْكَبُ الْحُمُوقَةَ، ثُمَّ يَقُولُ: يَا ابْنَ عَبَّاسٍ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ! وَإِنَّ اللّٰهَ قَالَ: وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا، وَإِنَّكَ لَمْ تَتَّقِ اللّٰهَ فَلَا أَجِدُ لَكَ مَخْرَجًا. عَصَيْتَ رَبَّكَ وَبَانَتْ مِنْكَ امْرَأَتُكَ، وَإِنَّ اللّٰهَ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ فِي قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ۔

ترجمہ: مجاہدؒ (تابعی) سے روایت ہے کہ میں ابن عباسؓ کے پاس موجود تھا کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور کہا کہ اس نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ (لہٰذا آپ اس بارے میں کیا فتویٰ دیتے ہیں؟) مجاہد کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ (کچھ دیر تک) خاموش رہے تو میں نے یہ سمجھا کہ شاید آپ اس کی بیوی کو لوٹا دیں گے۔ مگر آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص حماقت کر بیٹھتا ہے اور پھر کہنے لگتا ہے اے ابن عباس! اے ابن عباس!! حالانکہ اللہ تعالیٰ صاف صاف کہہ چکا ہے (جو اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لئے راستہ نکال دے گا) مگر تم چونکہ اللہ سے نہیں ڈرے (یعنی اس کے حکم کے مطابق طلاق نہیں دی) لہٰذا میں تمہارے لئے کوئی راستہ نہیں پاتا۔ تم نے اللہ کی نافرمانی کی اور تمہاری بیوی تم سے جدا ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ تو فرما چکا ہے (اے نبی جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دینا چاہو تو عدت کے موقع پر طلاق دو) یعنی طہر کے شروع میں (طلاق رجعی) دو۔[1]

تشریح: جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تین طلاق کے وقوع کا ذکر قرآن میں موجود نہیں ہے وہ دیکھیں کہ قرآن کس قدر زور کے ساتھ اس کا اثبات کر رہا ہے۔ اسی طرح سورۂ بقرہ میں جہاں پر طلاق کے احکام اور اس کا طریقہ مذکور ہے وہیں پر یہ صراحت بھی موجود ہے:

تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ: یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں جن سے تم تجاوز مت کرو۔ اور جو کوئی اللہ کی حدوں

[1] سنن ابو داؤد ۴۳۰/۱

تجاوز کرے گا تو وہ ظالم ہوگا۔ (بقرہ : ۲۲۹)

اس موقع پر حد دوست تجاوز کرنے کا یہی مطلب ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں ورنہ اگر انہیں واقع نہ مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا کی حدود توڑنے کے باوجود کوئی بھی شخص ظالم نہ بنے گا۔ اور ظالم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اگر یہ مطلب نہ نکالا جائے تو قرآن کی یہ آیت بے معنی نظر آئے گی۔

۱۰۔ بیک لفظ تین طلاق کا مزید ثبوت

عَنْ مَالِكٍ اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ : اِنِّیْ طَلَّقْتُ امْرَاَتِیْ مِائَةَ تَطْلِيْقَةٍ، فَمَاذَا تَرٰى عَلَیَّ؟ فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ طَلُقَتْ مِنْكَ لِثَلَاثٍ، وَسَبْعٌ وَتِسْعُوْنَ اتَّخَذْتَ بِهَا اٰيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا۔

ترجمہ: مالک سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں، تو آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تیری بیوی تین طلاقوں کے ذریعہ آزاد ہوگئی اور باقی ۹۷ کے ذریعہ تو نے اللہ کے احکام کو مذاق بنایا ہے۔[1]

تشریح: اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ بیک وقت دی ہوئی تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ اور یہ ایک تو قولی حکم ہے۔ ظاہر ہے کہ سو طلاقیں یک یک کرکے نہیں دی جا سکتیں کیونکہ یک یک کرکے دینے کی صورت میں تین تک پہنچتے ہی کوٹہ پورا ہوجاتا ہے اور بقیہ ۹۷ کا کوئی موقع ہی باقی نہیں رہتا۔ اس لئے صاف طور پر معلوم ہوگیا یہاں پر سو طلاقیں بیک لفظ دینا ہی مراد ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیک وقت اگر سو طلاقیں دی جائیں تو صرف تین ہی واقع ہوں گی اور بقیہ ۹۷ لغو قرار پائیں گی۔ کیونکہ شریعت نے کسی بھی شخص کو صرف تین ہی طلاقیں دینے کا اختیار دیا ہے، زیادہ نہیں۔ اس اعتبار سے جب بیک وقت سو طلاقیں دینے پر صرف تین ہی واقع ہوسکتی ہیں تو پھر صرف تین دینے پر بھی تین واقع ہوسکتی ہیں۔ لہٰذا تین کو ایک قرار دینا عقل و نقل دونوں اعتبار سے

---

[1] موطا امام مالک ۲/۵۵۰، مطبوعہ مصر، ۱۳۷۰ھ

غلط اور باطل ہے۔

آج کل تک : چند لوگ یہ جو کہتے ہیں کہ ایک وقت دی ہوئی تین طلاق کو نافذ قرار دینا حنفی مسلک ایجاد ہے، جو صحیح اسلامی قانون کے خلاف ہے وہ دیکھیں کہ اس مسئلے میں کس کا قول صحیح و درست ہے، اور ایسے لوگوں کو سمجھ فقہ و شریعت سے کتنا تعلق ہے؟ مذکورہ بالا تمام حدیثوں سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ تین طلاق کے وقوع کا حکم نکلتا ہے جو بعد میں حضرت عمرؓ کا محض تعزیری اقدام نہیں تھا، بلکہ یہ ضابطہ دورِ رسالت ہی سے جاری و نافذ تھا۔

غرض جب قرآن اور حدیث سے ایک وقت یا ایک لفظ کی دی ہوئی تین طلاقوں کے واقع ہو جانے کا ثبوت مل گیا تو پھر یقین کرنے کے لئے اب مزید کونسی دلیل کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے!

۱۱۔ تین طلاق کے بعد پھر رجعت نہیں ہو سکتی

عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : (وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ، وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ) وَذَلِكَ أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ فَهُوَ أَحَقُّ بِرَجْعَتِهَا وَإِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا. فَنُسِخَ ذَلِكَ وَقَالَ (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ)۔

ترجمہ: عکرمہ (تابعی) سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت کی: مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں.... ان کے شوہر انہیں عدت کے اندر واپس لینے کے زیادہ حقدار ہیں۔ بقرہ ۲۲۸) اور چونکہ زمانۂ جاہلیت میں مرد کو یہ اختیار حاصل تھا کہ جب وہ اپنی بیوی کو طلاق دے تو جب چاہے مطلقہ کو لوٹا لے اگرچہ وہ تین (یا اس سے زیادہ) طلاق دے چکا ہو۔ لہٰذا اس (غلط) رواج کو منسوخ کرتے ہوئے فرمایا گیا (طلاق رجعی صرف دو بار تک ہی ہے)[1]

تشریح: اس حدیث کی مزید وضاحت حضرت عائشہؓ سے مروی ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس کے مطابق وہ فرماتی ہیں کہ لوگ جیسے چاہیں طلاقیں دیتے اور جب چاہتے رجوع

---

[1] ابوداؤد ۲/۱۴۳ - ۱۹۵، نسائی ۲/۱۱۲

کر لیتے تھے، اگرچہ وہ سو بار طلاق دے چکے ہوں۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ خدا کی قسم میں تجھے ایسی طلاق نہ دوں گا جس کی وجہ سے تو مجھ سے جدا ہو جائے، اور نہ میں تجھے کبھی گھر والی بنا کر رکھوں گا۔ اس پر عورت نے پوچھا وہ کیسے؟ تو اس نے کہا کہ میں تجھے طلاق دیتا رہوں گا مگر جب تیری عدت پوری ہونے کو آئے گی تو تجھے لوٹا لوں گا۔ (اس طرح تو ہمیشہ معلق رہے گی)۔ اس پر وہ عورت حضرت عائشہؓ کے پاس آئی اور اپنا واقعہ بیان کیا۔ تو عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ طلاق صرف دو بار ہے۔ یعنی رجوع کرنے کا حق صرف دو بار تک ہے۔[۲۱]

غرض یہ حدیثیں اس آیت کے شانِ نزول (پس منظر) کی وضاحت کرتی ہیں کہ "طلاق دو بار ہے" کہنے کا اصل مفہوم و مدعا کیا ہے؟ تو مذکورہ بالا حدیثوں سے معلوم ہو گیا کہ اس میں دراصل طلاق رجعی کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ طلاق دینے کے بعد رجوع کرنے کا اختیار صرف دو تک ہی رہتا ہے۔ ورنہ اگر کسی نے تیسری طلاق دے دی تو پھر عورت حرام ہو جائے گی۔ جیسا کہ مابعد کی آیت میں یہ بیان اس طرح مذکور ہے: فَإِنْ طَلَّقَهَا...... پس اگر وہ (تیسری بار) عورت کو طلاق دے دے تو وہ اس کے لئے حلال نہیں رہتی جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے ہم بستری نہ کر لے۔ (بقرہ: ۲۳۰)

مفسر قرطبی نے اس آیت کے متعلق بعض صحابہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اس آیت میں طلاق دینے کا مسنون طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ یعنی جس نے دو طلاقیں دی ہیں اُسے تیسری طلاق دینے میں اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ پھر موصوف فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان دونوں مفہومات کی حامل بن سکتی ہے۔[۲۲]

اس اعتبار سے اس آیت کریمہ سے ان ہی دو باتوں کا اثبات ہوتا ہے۔ مگر بعض اہلِ علم کا یہ کہنا کہ اگر کوئی ایک وقت تین طلاق دے دے تو وہ اس آیت کی رُو سے واقع نہیں ہو سکتیں، اس آیت کو ایک زائد معنی پہنانا ہے، جس کی وہ متحمل نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں پر قرآن کو (زیر بحث الفاظ کی رُو سے) اس مسئلے سے نفیاً یا اثباتاً کوئی تعلق ہی نہیں ہے بلکہ یہ مسئلہ درحقیقت حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ اور جو لوگ ایک لفظ

---

[۲۱] ترمذی ۳/۴۹۷، ۴۹۸ نیز ملاحظہ ہو موطا امام مالک ۲/۵۸۸

[۲۲] تفسیر قرطبی ۳/۱۲۶

دی ہوئی تین طلاقوں کے وقوع کو از روئے قرآن غلط بتاتے ہیں وہ بھی در اصل حدیثوں ہی کا سہارا لے کر یہ بات کہتے ہیں۔ اور مجرد قرآن سے صرف اتنا ہی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ یہ تینوں طلاقیں الگ الگ ہونا چاہئیں مگر ان کے درمیان کتنا وقفہ ہو؟ اس کی صراحت قرآن میں موجود نہیں ہے۔ لہذا یہ ایک اجمالی بیان ہے۔ اور اوپر نقل کردہ صحیح حدیثوں کی رو سے جب بیک وقت یا ایک ہی مجلس کی تین طلاقوں کا وقوع ثابت ہو چکا ہے تو پھر اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ قرآن کی ان مجمل آیات میں یہ شکل بھی شامل ہو سکتی ہے۔ بلکہ بیک وقت دی ہوئی تین طلاق کا وقوع خود قرآن سے بھی ثابت ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے سورۂ طلاق کی ایک آیت سے استدلال کیا ہے۔ اور اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ لہذا ایک وقت دی ہوئی تین طلاق کے وقوع پر جب قرآن اور حدیث دونوں متفق ہیں تو پھر ثبوت کے لئے اب مزید کونسی دلیل درکار ہے؟ نتیجہ یہ کہ تین طلاق یا اس کے وقوع کو ممنوع قرار دینے کا مطلب قرآن اور حدیث کو رد کرنے کا مطالبہ ہے جس کو کوئی بھی سچا مسلمان گوارا نہیں کر سکتا۔

واضح رہے کہ حدیث شریف قرآن ہی کی شرح و تفسیر ہے۔ جو امور قرآن میں اجمالی طور پر مذکور ہیں ان کی شرح حدیثوں سے ہوتی ہے۔ اور اس اصول کے مطابق تین طلاق کا وقوع قرآن سے اجمالی طور پر اور حدیث سے تفصیلی طور پر ثابت ہو گیا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

۱۲۔ کن لوگوں کی طلاق نہیں پڑتی

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّغِيْرِ حَتّٰى يَكْبَرَ، وَعَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يَعْقِلَ أَوْ يُفِيْقَ۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین قسم کے آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے: سونے والا جب تک کہ وہ جاگ نہ جائے، نابالغ جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے، اور دیوانہ جب تک وہ عقل یا ہوش میں نہ آ جائے۔[1]

---

[1] نسائی ۱۵۶/۱، ابن ماجہ ۶۵۸/۱

تشریح: یہ حدیث بخاری میں حضرت علیؓ سے ایک دوسرے اسلوب میں مروی ہے[۳۴]

اسلام چونکہ ایک عقلی مذہب ہے اس لئے وہ اپنے احکام میں بھی جگہ جگہ عقل و دانش مندی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ بہرحال ان تینوں صورتوں میں چونکہ عقل یا تو زائل رہتی ہے یا وہ قابو میں نہیں رہتی، یا درجۂ کمال کو ابھی پہنچی نہیں ہوتی اس لئے اسلامی شریعت نے ان تینوں صورتوں میں طلاق کے وقوع کا اعتبار نہیں کیا ہے۔ ورنہ ان حالتوں میں بھی اگر طلاق کو واقع قرار دے دیا جاتا تو پھر لوگ اس سے بڑی مشقت میں پڑ جاتے اور یہ قانون ایک مصیبت بن جاتا۔

۱۳- مغلوب العقل کی طلاق نہیں پڑتی

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ اِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوْهِ الْمَغْلُوْبِ عَلٰى عَقْلِهٖ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر طلاق جائز (قابلِ نفاذ) ہے سوائے اس شخص کی طلاق کے جس کی عقل مغلوب ہو گئی ہو[۳۵]

تشریح: یہ حدیث امام بخاری کی تعلیقات میں حضرت علیؓ سے بھی مروی ہے[۳۶] اور اس سے مراد غالباً ایسا شخص ہے جو کسی مرض یا بیماری کی وجہ سے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا ہو، جیسے سرسام زدہ شخص۔ اور امام ترمذی نے تصریح کی ہے کہ اگر ایسا شخص مسلسل ہوش و حواس کھوئے ہوئے ہو تو اس کی طلاق کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ کبھی کبھی ہوش میں بھی آجاتا ہو اور ہوش کی حالت میں طلاق دے بیٹھے تو پھر اس کی طلاق پڑ جائے گی۔

۱۴- دل میں طلاق دے لینے سے طلاق نہیں پڑتی

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ

---

۳۵ بخاری ۲/ ۱۹۹

۳۶ جامع ترمذی ۳/ ۴۹۶، مطبوعہ بیروت

۳۷ صحیح بخاری ۲/ ۱۹۹

بِهَا وَعَنْ اُمَّتِیْ مَا حَدَّثَتْ بِهٖ اَنْفُسُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ اَوْ تَتَکَلَّمْ. وَقَالَ قَتَادَةُ اِذَا طَلَّقَ فِیْ نَفْسِهٖ فَلَیْسَ بِشَیْءٍ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میری امت سے دلوں میں پیدا ہونے والی وسوسے درگزر کر لیا ہے، جب تک کہ لوگ ان کو عملاً بروئے کار نہ لائیں یا انہیں زبان سے ادا نہ کریں۔ اور قتادہ نے کہا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دل میں طلاق دے بیٹھے تو اس سے کچھ نہیں ہوتا۔[۸]

تشریح: مطلب یہ کہ محض دل میں وسوسہ پیدا ہو جانے کے باعث یا محض دل میں ارادہ یا نیت کر لینے کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی، جب تک کہ صراحتاً زبان سے الفاظِ طلاق ادا نہ کئے جائیں۔

۱۵- مذاق کی طلاق پڑ جاتی ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ: اَلنِّکَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی۔ اور وہ تین چیزیں ہیں نکاح، طلاق اور رجعت۔[۹]

تشریح: نکاح اور طلاق ایسے معاملات ہیں جن کے اثرات انسان کی معاشرتی و تمدنی زندگی میں دور رس نتائج کے حامل ہوتے ہیں۔ لہٰذا انہیں ہر حال میں سنجیدگی ہی پر محمول کرنا چاہئے۔ ورنہ صاف ظاہر ہے کہ یہ قانون اور ضابطہ ایک کھیل تماشہ بن کر رہ جائے گا۔ مثلاً شوہر بات بات پر

---

[۸] بخاری ۶/۱۹۹، نیز ملاحظہ ہو مسلم ۱/۱۱۶، ابوداؤد ۲/۲۵۷، ترمذی ۳/۳۸۹، نسائی ۶/۱۵۶-۱۵۷، ابن ماجہ ۱/۱۵۸

[۹] ابوداؤد ۲/۲۴۳، ترمذی ۳/۳۹۰، ابن ماجہ ۱/۶۵۸

طلاق دے کر نکل جائے گا اور بعد میں کہہ دے گا کہ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

۱۔ جس طرح گواہوں کے سامنے نکاح کے دو بول بولنے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے خواہ وہ سنجیدگی سے کہے یا مذاق سے، اسی طرح طلاق کے تلفظ سے نکاح ٹوٹ بھی جاتا ہے، خواہ وہ سنجیدگی سے کہے یا مذاق سے۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نکاح اصلاً ایک معاشرتی و عمرانی معاہدہ ہے، جو دیگر مذاہب کی طرح کوئی "اٹوٹ بندھن" نہیں ہے، جو کسی بھی صورت میں ٹوٹ نہ سکتا ہو۔ بلکہ شخص بیوی کو "تجھے طلاق ہے" کہہ دینے سے یہ معاہدہ ٹوٹ جاتا ہے، اگرچہ بلا وجہ طلاق دینا شریعت کی نظر میں بہت بڑا گناہ ہے۔

۱۹۔ بلا سبب خلع طلب کرنا مذموم ہے

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِي غَيْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ۔

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر سے بغیر کسی سبب کے طلاق (خلع) طلب کرتی ہے تو اس کے لئے جنت کی خوشبو حرام ہے۔[شکہ]

تشریح: اس میں محض جنسی لطف اندوزی کی خاطر یا شوہروں کو بدلنے کے فیشن کی وجہ سے خلع یا طلاق حاصل کرنے والی عورتوں کی مذمت کی گئی ہے۔ اس کے برعکس کسی عورت پر شوہر کی جانب سے اگر واقعی ظلم و زیادتی ہو رہی ہو جو اس کے لئے ناقابل برداشت ہو تو اس صورت میں عورت کو خلع طلب کرنے کا حق ہے۔ نیز اسی طرح اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی کسی چیز سے طبعاً نفرت ہو جس کی بنا پر وہ صحیح ازدواجی تعلق قائم نہ رکھ سکتی ہو تو اس صورت میں بھی اسے خلع کا حق حاصل ہے۔ جیسا کہ حدیث کی مختلف کتابوں میں ایک صحابیہ (جمیلہؓ بنت سلول) کا واقعہ مذکور ہے جو حضرت ثابت بن قیسؓ کی

شکہ ابو داؤد ۱/۲۹۴، ترمذی ۳/۴۱۲، نسائی ۲/۱۶۸، ابن ماجہ ۱/۶۶۲

بیوی تھیں۔ چنانچہ جمیلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ یا رسول اللہ مجھے ثابتؓ کی دینداری اور اُن کے اخلاق کے بارے میں کوئی شکایت نہیں ہے۔ مگر میں بعض وجوہات کی بنا پر اُن کے ساتھ گزارہ نہیں کرسکتی۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ مجھے اسلام میں کفر کا اندیشہ ہے۔ اور ابن ماجہ کی روایت میں تصریح ہے کہ ثابت بن قیس بدصورت تھے۔ حافظ ابن حجر نے بعض دیگر روایات کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ وہ بہت زیادہ کالے، پستہ قد اور بدشکل تھے۔[۲۲] اور نسائی کی ایک روایت کے مطابق انہوں نے جمیلہ کا ہاتھ توڑ دیا تھا۔[۲۳] تو اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمیلہ سے پوچھ کر کیا تم وہ باغ ثابت کو واپس کر دوگی جو انہوں نے تمہیں دیا ہے؟ تو جمیلہ نے جواب دیا ہاں واپس کر دوں گی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت سے فرمایا کہ تم باغ لے لو اور جمیلہ کو ایک طلاق دے دو۔[۲۴]

۱۷۔ بیوہ چار ماہ دس دن سوگ منائے گی

عَنْ زَيْنَبَ ابْنَةِ أَبِي سَلَمَةَ قَالَتْ دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ حَبِيبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تُوُفِّيَ أَبُوهَا أَبُو سُفْيَانَ ابْنُ حَرْبٍ فَدَعَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ بِطِيبٍ فِيهِ صُفْرَةٌ خَلُوقٌ أَوْ غَيْرُهُ ، فَدَهَنَتْ مِنْهُ جَارِيَةً ثُمَّ مَسَّتْ بِعَارِضَيْهَا ، ثُمَّ قَالَتْ وَاللَّهِ مَا لِي بِالطِّيبِ مِنْ حَاجَةٍ غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۔

ترجمہ: زینب بنت ابو سلمہؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ حضرت اُمّ حبیبہؓ کے پاس آئیں جب کہ اُن کے والد ابوسفیانؓ کا انتقال ہو چکا۔ تو پھر ام حبیبہؓ

---

[۲۲] فتح الباری از حافظ ابن حجر عسقلانی ۹/۳۰۰

[۲۳] نسائی ۶/۱۸۶

[۲۴] بخاری ۶/۱۷۰، نسائی ۶/۱۶۹، موطا مالک ۲/۵۹۳، ابن ماجہ ۱/۶۶۲

نے ایک زرد قسم کی خوشبو منگوائی اور اس میں سے کچھ (وہاں پر موجود) ایک لڑکی کو لگایا پھر اپنے گالوں پر بھی مل لیا۔ اور کہا کہ مجھے خوشبو کی کوئی ضرورت تو نہیں ہے۔ لیکن میں نے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کسی عورت کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے کسی رشتہ دار کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، سوائے اپنے شوہر کے جو چار ماہ دس دن ہے۔[۳۳]

تشریح جس عورت کا شوہر مر جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ اور یہ مدت اس کے سوگ کا بھی زمانہ ہے۔ لہٰذا اس دوران بیوہ عورت نہ تو بناؤ سنگار کر سکتی ہے اور نہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ بقول حافظ ابن حجر بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ اس مدت میں جنین کی تخلیق مکمل ہو جاتی ہے اور ایک سو بیس دن کے بعد اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔[۳۴]

اس موقع پر ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ کیا مُطلّقہ عورت کو بھی سوگ منانا چاہئے یا نہیں؟ تو اس مسئلہ میں حافظ ابن حجر کی تصریح کے مطابق تمام علمائے امت اس پر متفق ہیں کہ مُطلّقہ رجعیہ (جس کو طلاق رجعی دی گئی ہو) پر کسی بھی قسم کا سوگ نہیں ہے (بلکہ اُسے بن ٹھن کر رہنا چاہئے تاکہ اس کا شوہر اس کی طرف مائل ہو سکے)۔ ہاں مطلقہ بائنہ (ناقابل رجوع) کے بارے میں اختلاف ہے۔ تو اس مسئلے میں احناف کے نزدیک ایسی طلاق والی کو بھی سوگ منانا چاہئے (یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے)۔ کیونکہ بائن ہونے کی بنا پر وہ بھی ایسی ہی ہو گئی ہے جیسے اس کا شوہر مر چکا ہو۔[۳۵]

۱۸۔ مُطلّقہ بائنہ کا نفقہ اور جائے رہائش

عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمُطَلَّقَةِ ثَلَاثًا قَالَ لَيْسَ لَهَا سُكْنَى وَلَا نَفَقَةٌ : فاطمہ بنت قیس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی

---

[۳۳] بخاری ۹/۵۰۱، مسلم ۲/۱۱۲۳ – ۲۴، ترمذی ۳/۵۰۰

[۳۴] دیکھئے فتح الباری ۹/۴۸۶

[۳۵] ماخوذ از فتح الباری ۹/۴۸۶

جیسا کہ آپ نے تین طلاق والی عورت کے بارے میں فرمایا کہ اُسے نفقہ (خرچہ) اور سکنیٰ (جائے رہائش) نہیں مل سکتے [۱]

تشریح: بعض فقہاء نے اس حدیث کو بنیاد بنا کر فیصلہ کیا ہے کہ مطلقہ بائنہ کو عدت کے دوران نفقہ اور جائے رہائش نہیں مل سکتے۔ مگر احناف کے مسلک کے مطابق ہر قسم کی مطلقہ عورت کو عدت کے دوران نفقہ اور جائے رہائش دیا جانا ضروری اور واجب ہے۔ اب رہا معاملہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کا تو اس کی ایک خاص وجہ تھی۔ وہ یہ کہ یہ واقعہ خود فاطمہ کے ساتھ پیش آیا تھا جب کہ اُن کے شوہر انہیں تین طلاق دے کر یمن چلے گئے تھے۔ چونکہ فاطمہ ذرا زبان دراز تھیں، اس لئے اُن کے شوہر کے گھر میں عدت گزارنے میں ایک اندیشہ یہ تھا کہ فاطمہ اور ان کے دیوروں کے درمیان تُو تُو میں میں ہوتی اور اس بنا پر وہ فاطمہ کو گھر سے نکال باہر کرتے۔ لہٰذا اس اندیشے کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ کو ابن اُمِّ مکتوم کے گھر میں عدت گزارنے کا حکم دیا۔ امام ترمذی نے اس حدیث کی یہی علت بتائی ہے [۲] چنانچہ ایک روایت کے مطابق فاطمہ نے اپنے سُسرال والوں کے ساتھ سخت کلامی کی تھی [۳]

اس کے علاوہ ایک وجہ اور بھی تھی وہ یہ کہ فاطمہ بنت قیس کے شوہر کا مکان شہر کے کنارے یا سنسان مقام پر واقع تھا۔ اور اس بنا پر انہیں اندیشہ ہوا کہ ایک مطلقہ سمجھ کر کوئی مکان میں گُھس نہ آئے، جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح موجود ہے:

عَنْ فَاطِمَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ: زَوْجِي طَلَّقَنِي ثَلَاثًا، وَأَخَافُ أَنْ يُقْتَحَمَ عَلَيَّ، فَأَمَرَهَا فَتَحَوَّلَتْ: فاطمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ میرے

---

[۱] مسلم ۲/۱۱۱۸

[۲] جامع ترمذی ۳/۴۸۵

[۳] سنن سعید بن منصور ۱/۳۱۹ (طبع دار...) ۔ فاطمہ بنت قیس کا واقعہ متعدد طریقوں سے حسب ذیل کتب حدیث میں مروی ہے: بخاری ۲/۱۴۲-۱۴۳، مسلم ۲/۱۱۱۴-۱۱۲۱، ابوداؤد ۲/۷۱۲-۷۲۰، ترمذی ۳/۴۸۳-۴۸۵، نسائی ۶/۲۰۷-۲۰۸، ابن ماجہ ۱/۶۵۶، موطا امام مالک ۲/۵۸۰-۵۸۱۔

شوہر نے مجھے تین طلاق دے دی ہے۔ اور میں ڈرتی ہوں کہ (عدت کے دوران) وہاں پر کوئی گھس نہ آئے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (انہیں وہاں سے ہٹ جانے کا) حکم دیا تو وہ ہٹ گئیں بیٹھ[1]

تو اس بنا پر وہ اپنے خاص حالات کو نظر انداز کر کے کہتی پھرتی تھیں کہ مطلقہ بائنہ کو شوہر کی جانب سے نفقہ اور جائے رہائش نہیں ہے۔ اسی بنا پر حضرت عائشہؓ اور حضرت عمرؓ نے ان کے قول کو ماننے سے انکار کر دیا۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ کے بارے میں مذکور ہے:

قَالَ عُمَرُ: لَا نَتْرُكُ كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْلِ امْرَأَةٍ لَا نَدْرِي لَعَلَّهَا حَفِظَتْ أَوْ نَسِيَتْ، لَهَا السُّكْنَى وَالنَّفَقَةُ۔ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ:

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بنا پر چھوڑ نہیں سکتے۔ اور ہمیں نہیں معلوم کہ اس نے یہ بات اچھی طرح یاد رکھی ہے یا کچھ بھول گئی ہے۔ لہٰذا مطلقہ بائنہ کے لئے خرچ اور جائے رہائش دونوں شوہر کی جانب سے ملیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "تم مطلقہ عورتوں کو اُن کے گھروں سے مت نکالو اور وہ خود بھی نہ نکلیں، مگر اس صورت میں جب کہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں"[2]

بہرحال اس موقع پر ان اختلافی حدیثوں کو بیان کرنے کا مقصد دو اہم مسئلوں کو ثابت کرنا ہے: (۱) ایک یہ کہ مطلقہ عورت شدید مجبوری کی حالت میں اپنی عدت دوسری جگہ گزار سکتی ہے۔ مگر جہاں تک ہو سکے اُسے کوشش یہی کرنی چاہئے کہ جس مکان میں اُس کی طلاق واقع ہوئی ہو وہیں پر وہ اپنی عدت گزارے۔ (۲) اور دوسرا مسئلہ یہ کہ تین طلاق والی عورت کو بھی عدت کے دوران مکان اور خرچ دونوں ملیں گے۔

---

[1] نسائی ۲۰۸/۶، ابن ماجہ ۶۵۵/۱ ـ ۶۵۶، بخاری ۱۰۴۳/۹، مسلم ۱۱۲۱/۲

[2] مسلم ۱۱۱۹/۲، ابو داؤد ۷۱۸/۲، نسائی ۲۰۹/۶

غرض اس بحث سے بخوبی واضح ہو گیا کہ ہر قسم کی مطلقہ عورتوں کے لئے عدت کے دوران مکان اور خرچہ شوہر کے ذمہ واجب ہے۔ کیونکہ اس مدت کے دوران عورت کو حمل ہونے کی صورت میں وہ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ جو ہونے والے بچے کے نسب کا پتہ چلانے کے لئے ضروری ہے۔ اسی مدت میں اگر حمل ظاہر ہو جائے تو پھر بچہ طلاق دینے والے شوہر کی جانب منسوب ہوگا۔ اور جب نسب صحیح ثابت ہو جائے گا تو پھر وہ نفقہ اور وراثت کا بھی حقدار رہے گا۔ اسی بنا پر مطلقہ بائنہ (خواہ وہ ایک طلاق والی ہو یا تین طلاق والی) کو بھی شوہر کے گھر میں روکے رکھنا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ اس پوری کارروائی میں شریعت کی بہت بڑی حکمت اور دور اندیشی ملحوظ رکھی گئی ہے۔

لہٰذا شوہروں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ عورتوں کو طلاق دینے کے بعد فوراً گھروں سے باہر نکال دیں۔ اور ایسا کرنا اسلامی شریعت کی کھلی ہوئی خلاف ورزی ہے اور عورتوں پر ایک ظلم بھی۔ اور اس اقدام کا ایک اور نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسے ظالم اور خدا کے نافرمان شوہر اس مدت کے اندر اپنے ہونے والے بچوں کا بھی انکار کر کے خدائے تعالیٰ کے مزید غضب کے مستحق ہوں گے۔

۱۹- بیوہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے

مسئلہ یہ ہے کہ وہ بیوہ جو حاملہ نہ ہو اس کی عدت ازروئے قرآن چار ماہ دس دن ہے (بقرہ: ۲۳۴)، اور حاملہ عورت کی مدت ازروئے قرآن وضع حمل ہے۔ (طلاق: ۴)۔ تو سوال پیدا ہوا کہ ایسی مطلقہ جو حاملہ بھی ہو مگر عدت کے دوران بیوہ ہو جائے تو وہ ان دونوں میں سے کونسی عدت پوری کرے گی؟ اس مسئلے میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا۔ ابن عباس کہتے تھے کہ ایسی صورت میں اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے مگر ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ نہیں اس کی عدت وضع حمل تک ہی ہے۔ تو اس مسئلے کے حل کے لئے حضرت ام سلمہؓ سے رجوع کیا گیا تو انھوں نے ابوہریرہ کی رائے کی تصویب کرتے ہوئے حسب ذیل واقعہ بیان کیا:

...... فَقَالَتْ تُوُفِّيَ زَوْجُ سُبَيْعَةَ فَوَلَدَتْ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِخَمْسَةَ عَشَرَ نِصْفِ شَهْرٍ. قَالَتْ فَخَطَبَهَا رَجُلَانِ فَحَطَّتْ بِنَفْسِهَا إِلَى أَحَدِهِمَا. فَلَمَّا خَشُوا أَنْ تَفْتَاتَ بِنَفْسِهَا قَالُوا إِنَّكِ لَا تَحِلِّينَ. قَالَتْ فَانْطَلَقْتُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَدْ حَلَلْتِ فَانْكِحِي مَنْ شِئْتِ: ام سلمہؓ سے کہ سبیعہؓ کے شوہر کا انتقال ہو گیا (جو حاملہ تھیں) تو اُن کے شوہر کی وفات کے پندرہ دن بعد سبیعہ کو بچہ ہوا۔ پھر اس کے بعد دو آدمیوں نے انہیں نکاح کا پیغام بھیجا تو ان میں سے ایک کی طرف سبیعہ کا رجحان ہوا۔ تو اس کے لوگ ڈرے کہ کہیں وہ اس سے نکاح نہ کر لے۔ تو انہوں نے کہا کہ ابھی تو تمہاری عدت پوری نہیں ہوئی ہے۔ اس پر وہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی (اور اس بارے میں مسئلہ پوچھا) تو آپ نے فرمایا کہ تو حلال ہو چکی ہے، اب جس سے چاہے نکاح کرے۔[۵۲]

اور موطا امام مالک میں حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ (طلاق کے علاوہ) اگر وضع حمل اس طرح ہو جائے کہ شوہر کی میت ابھی چارپائی پر پڑی ہو (یعنی ابھی مدفون نہ ہوئی ہو) تب بھی عورت عدت سے باہر نکل آئے گی۔[۵۳]

تشریح: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ایک حدیث کے مطابق اس سلسلے میں قولِ فیصل یہ ہے کہ سورۂ طلاق کی آیت چونکہ سورۂ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے اس لئے سورۂ بقرہ والی آیت (۲۳۴) کا حکم عام نہیں ہے۔ یعنی وہ صرف اُسی بیوہ سے متعلق ہے جو حاملہ نہ ہو۔ ورنہ بیوہ اگر حاملہ بھی ہو تو اس صورت میں آخر پر سورۂ طلاق والی آیت (۴) کا حکم نافذ ہوگا۔[۵۴] مطلب یہ کہ دونوں آیتیں اپنی اپنی جگہ پر قابلِ عمل ہیں۔ اس اعتبار سے یہ حدیث شریف قرآن مجید کے ایک "ظاہری تعارض" کو دور کر رہی ہے۔

۲۰۔ بیوہ بھی اپنے شوہر کے گھر میں عدت گزارے گی

عَنْ زَيْنَبَ أَنَّ الْفُرَيْعَةَ بِنْتَ مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ — وَهِيَ أُخْتُ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ — أَخْبَرَتْهَا أَنَّهَا جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْأَلُهُ أَنْ

۵۲۔ نسائی ۶/۱۹۰ نیز ملاحظہ ہو بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ

۵۳۔ موطا ۲/۵۹۰

۵۴۔ دیکھئے ابوداؤد ۲/۷۳۰، نسائی ۶/۱۹۷، ابن ماجہ ۱/۶۵۳

أَنْ تَرْجِعَ إِلَى أَهْلِهَا فِي بَنِي خُدْرَةَ فَإِنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِي طَلَبِ أَعْبُدٍ لَهُ أَبَقُوا حَتَّى إِذَا كَانُوا بِطَرَفِ الْقَدُومِ لَحِقَهُمْ فَقَتَلُوهُ۔ فَسَأَلَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَرْجِعَ إِلَى أَهْلِي. فَإِنِّي لَمْ يَتْرُكْنِي فِي مَسْكَنٍ يَمْلِكُهُ وَلَا نَفَقَةٍ۔ قَالَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَعَمْ۔ قَالَتْ فَخَرَجْتُ حَتَّى إِذَا كُنْتُ فِي الْحُجْرَةِ أَوْ فِي الْمَسْجِدِ دَعَانِي، أَوْ أَمَرَ بِي فَدُعِيتُ لَهُ۔ فَقَالَ كَيْفَ قُلْتِ؟ فَرَدَدْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ الَّتِي ذَكَرْتُ مِنْ شَأْنِ زَوْجِي۔ قَالَتْ فَقَالَ: امْكُثِي فِي بَيْتِكِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ۔ قَالَتْ فَاعْتَدَدْتُ فِيهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔ قَالَتْ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ أَرْسَلَ إِلَيَّ فَسَأَلَنِي عَنْ ذٰلِكَ۔ فَأَخْبَرْتُهُ، فَاتَّبَعَهُ وَقَضَى بِهِ۔

ترجمہ: مشہور صحابی ابوسعید خدری کی بہن فُریعہ بنت مالک کا واقعہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ سے اپنے گھر والوں میں واپس جانے کی اجازت طلب کی۔ کیونکہ اُن کے شوہر اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کی تلاش میں نکلے تھے۔ مگر وہ جب قدوم نامی مقام پہنچے اور اُن کی طرف لپکے غلاموں سے بھڑتی تو غلاموں نے اُنہیں قتل کر ڈالا۔ اس بنا پر فُریعہ نے اپنے میکے والوں میں چلے جانے کی اجازت مانگی کیونکہ میرے شوہر نے کوئی مکان چھوڑا ہے اور نہ نان و نفقہ۔ اس پر رسول اللہ صلعم نے فرمایا: ہاں تم چلی جاؤ۔ فُریعہ کہتی ہیں کہ اس پر میں وہاں سے جانے لگی تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آواز دی اور پوچھا تم نے کیا کہا؟ تو میں نے پُورا قصہ دوبارہ سنایا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تم اپنے ہی گھر میں ٹھہری رہو جب تک کہ عدت پوری نہ ہو جائے۔ فُریعہ کہتی ہیں کہ میں نے اس حکم کے مطابق چار ماہ دس دن اُسی گھر میں (جس میں بیٹھی تھی) اپنی مدت گزاری۔ وہ کہتی ہیں کہ جب حضرت عثمان بن عفان خلیفہ ہوئے تو انہوں نے میرے پاس آدمی بھیج کر یہ مسئلہ معلوم کیا اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا۔[۴۴]

---

[۴۴] ابوداؤد ۱/۳۱۵-۳۱۶ مطبوعہ حمص، ترمذی ۲/۵۰۸-۵۰۹ مطبوعہ بیروت، نسائی ۶/۱۹۹-۲۰۰ بیروت، ابن ماجہ ۱/۶۵۴-۶۵۵ بیروت، موطا ۲/۵۹۱ بیروت۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر کی وفات کے موقع پر عورت جس مکان میں ہو اسی میں وہ اپنی عدت گزارے، اگرچہ وہ اس کے شوہر کی ملکیت نہ ہو۔ اور جہاں تک ممکن ہو کوشش یہی کرنی چاہئے کہ عدت اسی مقام پر گزرے۔ اگر وہ مکان شوہر کے رشتہ داروں کا ہے یا کوئی اور صورت ہے تو اس وقت مالک مکان کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ اس شرعی مسئلے کا خیال کرتے ہوئے بیوہ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے۔ نیز شوہر اگر کنگال رہا ہو یا دوسری کوئی بات ہو تو اس کے اعزہ عورت کا خرچ برداشت کریں اور عدت کے بعد اس کے نکاح ثانی کا انتظام کریں۔ کیونکہ اسلامی شریعت کی رو سے بیواؤں، مطلقہ عورتوں اور اسی طرح غیر نکاحی عورتوں کا نکاح کرانے اور ان کے گھروں کو بسانے کی قرآن اور حدیث میں تاکید کی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ: اور تم میں جو بیوہ (اور بے نکاح لوگ) ہیں ان کے نکاح کر دو۔ اور تمہارے جو غلام اور باندیاں لائق ہیں ان کا بھی نکاح کر دو۔ اگر یہ لوگ (اس وقت کسی وجہ سے) مفلس ہوں تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا۔ اور اللہ بڑی وسعت والا اور خوب جاننے والا ہے۔ (نور: ۳۲)

ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اے علی! تین چیزوں کو مؤخر مت کرو: (۱) نماز جب کہ اس کا وقت ہو جائے (۲) جنازہ جب کہ وہ موجود ہو۔ (۳) اور بیوہ جب کہ اس کے لئے موزوں آدمی مل جائے۔[۱]

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیوہ اور مسکین کی خبر گیری کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، یا رات بھر عبادت کرنے والا اور دن بھر روزہ رکھنے والا۔[۲]

اس اعتبار سے بیواؤں اور مطلقہ عورتوں کی خبر گیری کرنا، ان کی راحت رسانی کا خیال کرنا و

---

[۱] مسند احمد بن حنبل ۱/۱۰۵، مطبوعہ بیروت

[۲] بخاری کتاب النفقات ۶/۱۸۹، مطبوعہ استنبول

ان کے گھروں کو دوبارہ بسانا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہے۔ ہندو مذہب اور رواج کی طرح انہیں
کسی بھی صورت میں منحوس تصور نہیں کرنا چاہئے اور نہیں حقارت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ بلکہ اہل اسلام
کے لئے ضروری ہے کہ وہ صحیح اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اس سلسلے میں غیر مذاہب والوں کے اوہام و خرافات کو
قولاً و فعلاً غلط ثابت کرنے اور عالم انسانی کی اصلاح کی کوشش کریں۔ اور یہ بات اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ
خود مسلمان اپنے دین اور اپنی شریعت پر سچے دل کے ساتھ عمل کریں۔

آخر میں ایک ضمنی مسئلہ یہ بیان کرنا ہے کہ بیوہ عورت چونکہ شوہر کی ملکیت میں وارث ہوتی ہے اس
لئے اسے قانونی طور پر عدت کا نفقہ نہیں ملتا۔ بلکہ صرف مسکن یعنی جائے رہائش ہی مل سکتی ہے۔ اور اس
بنا پر اسے دن کے وقت روزی کی تلاش میں باہر نکلنے کی اجازت ہے۔ جب کہ وہ تنگ دست ہوں۔ بخلاف مطلقہ
کے جسے نفقہ اور مسکن دونوں ملتے ہیں۔ لہٰذا مطلقہ عورتوں کو عدت کے دوران گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اہل اسلام کو اپنی شریعت مطہرہ پر چلنے اور صحیح اسلامی اصولوں کی پابندی
کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کی نافرمانی و حکم عدولی سے ہر حال میں بچائے۔ موجودہ دور میں مسلمانوں پر
جو بھی آفتیں آ رہی ہیں وہ دین و شریعت کو نظر انداز کرنے کی بدولت ہیں۔ اور موجودہ دور میں اسلامی
شریعت کے خلاف جو تحریکیں چل رہی ہیں ان کے توڑ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مسلمان صدق دلی کے ساتھ پروردگار
عالم کے بنائے ہوئے قانون اور اس کی شریعت پر پوری طرح عمل کرتے ہوئے مخالفین اسلام کے ہر منصوبے
کو ناکام بنانے کی کوشش کریں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

محمد شہاب الدین ندوی

۲۹/۹/۸۸ء

---

[1] شرح معانی الآثار از طحاوی ۲/۴۸، مطبوعہ کراچی

فہرست مراجع

۱ـ قرآن مجید

۲ـ تفسیر ابن جریر، علامہ ابن جریر طبری، مطبوعہ بیروت

۳ـ تفسیر ابن کثیر، علامہ ابن کثیر، مطبوعہ مصر

۴ـ تفسیر ابن جوزی، عبدالرحمان ابن جوزی، دمشق

۵ـ تفسیر کبیر، امام رازی، طہران

۶ـ تفسیر قرطبی، ابوعبداللہ محمد انصاری قرطبی

۷ـ تفسیر درمنثور، علامہ جلال الدین سیوطی، بیروت

۸ـ تفسیر روح المعانی، شہاب الدین آلوسی، بیروت

۹ـ تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ، دہلی

۱۰ـ تفسیر معارف القرآن، مفتی محمد شفیع

۱۱ـ صحیح بخاری، امام محمد بن اسماعیل بخاری، استنبول

۱۲ـ صحیح مسلم، امام مسلم نیشاپوری، ریاض

۱۳ـ سنن ابوداؤد، امام ابوداؤد سجستانی، حمص (شام)

۱۴ـ جامع ترمذی، امام ابوعیسیٰ ترمذی، بیروت

۱۵ـ سنن نسائی، امام نسائی، بیروت

۱۶ـ سنن ابن ماجہ، امام ابن ماجہ، بیروت

۱۷ـ موطا امام مالک، امام مالک، مصر

۱۸ـ مسند احمد بن حنبل، امام احمد بن حنبل

۱۹ـ شرح معانی الآثار، امام طحاوی، کراچی

۲۰ـ مصنف عبدالرزاق، حافظ ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام، سملک (گجرات)

۲۱ـ مصنف ابن ابی شیبہ، حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہ، بمبئی

۲۲ـ سنن بیہقی (بحوالہ تفسیر درمنثور)

۲۳ـ کتاب السنن، سعید بن منصور، ڈابھیل (سورت)

۲۴ـ فتح الباری، حافظ ابن حجر عسقلانی، ریاض

۲۵ـ اعلاء السنن، مولانا ظفر احمد عثمانی، کراچی

۲۶ـ درمختار مع ردالمحتار، کوئٹہ (پاکستان)

۲۷ـ ہدایہ، برہان الدین علی مرغینانی، دہلی

۲۸ـ بدائع الصنائع، علاء الدین کاسانی، کراچی

۲۹ـ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ـ شیخ عبدالرحمن جزیری، بیروت

۳۰ـ عنایہ، شرح ہدایہ، کلکتہ، ۱۸۳۷ء

۳۱ـ ابن تیمیہ، شیخ ابوزہرہ، مصر، ۱۹۷۷ء

۳۲ـ سپریم کورٹ کا فیصلہ، محمد شہاب الدین ندوی، فرقانیہ اکیڈمی بنگلور

۳۳ـ شریعت اسلامیہ کی جنگ، " " " "

۳۴ـ تین طلاق کا ثبوت، " " " "

۳۵ـ کورٹ شپ، میرج اینڈ فیملی، ڈاکٹر (مطبوعہ امریکہ) ۱۹۸۳ء

۳۶ـ سوشیالوجی انکوائرنگ انٹو سوسائٹی، نیویارک، ۱۹۸۲ء